تفقہ فی الدین کی روایت کا علم بردار

ماہنامہ

مفاہیم

کراچی

دسمبر ۲۰۲۱ء

جلد ۲ — شمارہ ۱

فقہ اکیڈمی کا ترجمان

لیتفقهوا فی الدین

فقہ اکیڈمی

لیتفقهوا فی الدین

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

اقبال

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

ماہ نامہ مفاہیم کراچی

فقہ اکیڈمی کا ترجمان | تفقہ فی الدین کی روایت کا علم بردار

سرپرستِ اعلیٰ

حضرت مولانا مفتی نذیر احمد ہاشمی صاحب حفظہ اللہ

مدیر

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

نائب مدیر

حافظ حماد احمد ترک

مجلسِ مشاورت

- حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب
- ڈاکٹر محمد رشید ارشد
- مفتی اویس پاشا قرنی
- مولانا معراج محمد
- حافظ سید اسامہ علی
- استاذ ابرار حسین
- استاذ عابد علی بھٹی

فقہ اکیڈمی

C-335، بلاک-1، گلستان جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی، پاکستان۔ 3474 3662 21 92 + | 3474 3661 21 92 +

FIQHACADEMY.COM.PK FIQHACADEMY FIQHACADEMYPK +92 330 3474223

مضامین

نعت	شکرِ خدا کہ آج گھڑی اُس سفر کی ہے	مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ	۴
اداریہ	ایک منثور مرثیہ	مدیر	۷
درسِ قرآن	سورۃ الدہر: آیت ۸	مولانا حماد احمد ترکؔ	۲۰
درسِ حدیث	دو مسلمانوں میں تفریق کا سبب	ابنِ عباس	۲۳
	برکت و تبرکِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۲)	صوفی جمیل الرحمٰن عباسی	۲۵
مقالات	بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۶)	صوفی جمیل الرحمن عباسی	۳۳
سلوک	نبی/ولی کے وسیلے سے مانگنا	دارالافتاء، فقہ اکیڈمی	۴۱
	نظم: ڈھاکہ سے واپسی پر	فیض احمد فیضؔ	۴۲
ادبیات	نظم: غارت گرانِ خونِ شہیداں حساب دو	مولانا محمد زکی کیفیؔ	۴۳
	غزل: وہ ہم سفر تھا	نصیرؔ ترابی	۴۶

مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

عالمِ دین و عظیم اردو نعت گو شاعر المتوفیٰ ۱۹۲۱ء

شکرِ خدا کہ آج گھڑی اُس سفر کی ہے

شکرِ خدا کہ آج گھڑی اُس سفر کی ہے
جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے

گرمی ہے، تپ ہے، درد ہے، کلفت سفر کی ہے
ناشکر! یہ تو دیکھ عزیمت کدھر کی ہے

کس خاکِ پاک کی تو بنی خاکِ پا شفا
تجھ کو قسم جنابِ مسیحا کے سر کی ہے

ماہِ مدینہ اپنی تجلّی عطا کرے!
یہ ڈھلتی چاندنی تو پہر دو پہر کی ہے

شکلِ بشر میں نورِ الٰہی اگر نہ ہو!
کیا قدر اُس خمیرۂ ما و مدر کی ہے

بے اُن کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

مقصود یہ ہیں آدمؑ و نوحؑ و خلیلؑ سے
تخمِ کرم میں ساری کرامت ثمر کی ہے

اُن پر دُرود جن کو حجر تک کریں سلام
اُن پر سلام جن کو تحیّت شجر کی ہے

اُن پر دُرود جن کو کسِ بے کساں کہیں
اُن پر سلام جن کو خبر بے خبر کی ہے

جنّ و بشر سلام کو حاضر ہیں اَلسّلَام
یہ بارگاہ مالکِ جنّ و بشر کی ہے

شمس و قمر سلام کو حاضر ہیں اَلسَّلَام
خوبی انھیں کی جوت سے شمس و قمر کی ہے

سب بحر و بر سلام کو حاضر ہیں اَلسَّلَام
تملیک اُنھی کے نام تو ہر بحر و بر کی ہے

سنگ و شجر سلام کو حاضر ہیں اَلسَّلَام
کلمے سے تر زبان درخت و حجر کی ہے

مومن ہوں، مومنوں پہ رَءُوفٌ رَّحِیم ہو
سائل ہوں، سائلوں کو خوشی لا نَہَر کی ہے

دامن کا واسطہ مجھے اُس دھوپ سے بچا
مجھ کو تو شاق جاڑوں میں اِس دوپہر کی ہے

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

*****

مدیر

ماہنامہ مفاہیم، کراچی

ایک منثور مرثیہ

سانحہ سقوطِ ڈھاکہ پر خصوصی اداریہ

دنیا کی رِیت چلی آتی ہے کہ سالگرہ کے ساتھ برسی بھی منائی جاتی ہے۔ وطن عزیز کی سالگرہ تو ہم مناتے ہی رہتے ہیں اب برسی کی طرف چلتے ہیں۔ کئی جوان ذہن پوچھیں گے، کیا زندہ جاوید کی برسی مناؤ گے؟ ہاں " متحدہ پاکستان کی برسی "!۔ اس متحدہ پاکستان کی برسی جو مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان (موجودہ پاکستان اور حالیہ بنگلہ دیش) پر مبنی تھا۔ اس متحدہ پاکستان کی برسی جسے " ڈھاکہ " میں قائم ہونے والی مسلم لیگ نے بنایا تھا۔ ہاں یہ مرثیہ ہے اس مُلکِ مرحوم کا جس کی قرارداد، شیرِ بنگال مولوی فضل حق نے پیش کی تھی۔ یہ نوحہ ہے ہمارے " متحدہ پاکستان " کے اس مشرقی بازو کا جسے قیام پاکستان کے ۲۴ سال بعد ہی کاٹ دیا گیا۔ اس سانحے پر لہو کے آنسو بہائے جائیں تو بجا ہے۔ شیخ سعدی جب سقوطِ بغداد پر آسمان کو حق دیتے ہیں کہ وہ زمیں پر خون برسائے تو سقوط ڈھاکہ اس سے کم تو نہیں۔ یہ ہے بھی اسی سلطنت کے ایک صوبے کا نوحہ کہ جس کے ملک الشعراء نے کہا تھا " روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں؟ "۔ تو مرثیے و نوحے کے لیے مرحوم کا کچھ تعارف ناگزیر ہے۔ ہم سے الگ ہونے والا صوبہ وہی بنگال تھا جس میں " انگریز چوروں کے ٹولے " ایسٹ انڈیا کمپنی نے سب سے پہلے تجارتی کوٹھیاں بنائیں۔ یہ ہمارا وہی بازو تھا جس نے ۱۶۸۶ء میں صوبے دار شائستہ خان کی سرکردگی میں انگریز کا بازو مروڑ کر ان کے سفیروں کو مغل دربار کی حقیقتاً خاک چاٹنے اور تاوان ادا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ وہی سرزمینِ بنگال ہے جس کے بہادر سپوت نواب سراج الدولہ، جب اپنے وفا شعاروں کے ساتھ شہر کلکتہ میں واقع فورٹ ولیم کی دیواریں توڑ کر اندر

داخل ہوئے تو پتا چلا کہ کمپنی کے ارکان تو دریائے ہگلی کے راستے فرار ہو چکے ہیں جبکہ فوجیں ہتھیار ڈالنے کے لیے دست بدستہ کھڑی ہیں۔ ہاں۔۔۔ مگر ہاں یہ وہی بنگال ہے کہ جب اس نے وفا شعاری کو ترک کیا تو اس فتح کے اگلے ہی سال ۱۶۵۷ء میں، اسی کلکتے کے قریب پلاسی کے مقام پر انگریز سے شکست کھائی اور نواب سراج الدولہ پہلے تو سرنگوں کیے گئے اور پھر مرتبہ شہادت سے سرفراز کیے گئے۔ انگریز کو نکالنے کی اگلی کوشش کا شرف بھی اسی سرزمین کو حاصل ہوا، جب غدار ملت میر جعفر ہی کے داماد میر قاسم نے ۱۷۶۴ء میں بکسر کے مقام پر انگریز کو گھیر لیا۔ جب ایک ہزار سے زائد سفید فاموں کی سرخی سے زمیں پر گلاب کھل چکے تو وہی پلاسی والی کہانی دہرائی گئی اور میر قاسم کے حلیفوں کی نادانی سے فتح شکست میں بدل گئی۔

اب بنگال مکمل طور پر انگریزوں کی عملداری میں آ گیا۔ انگریز کی آمد سے قبل کا بنگال مختلف صنعتوں اور پیداواروں سے مالا مال تھا۔ میجر ایم باسو نے لکھا کہ یہاں کے سیٹھوں کا سرمایہ بینک آف انگلینڈ کے برابر تھا۔ رہی ایسٹ انڈیا کمپنی تو اس کا سرمایہ تو صرف ایک ہی تاجر عبد الغفور کے سرمائے کو پہنچ پاتا تھا۔ سٹوری آف سوی لائزیشن کے مصنف کے مطابق سفید فاموں کی آمد سے پہلے یہاں اَسی ہزار اسکول تھے جن کے اساتذہ کو تنخواہ حکومت کی طرف سے ملا کرتی تھی۔ وحشی انگریزوں نے اس سرزمین کو اس طرح لوٹا کھسوٹا کہ اگلے سو سال میں یہاں غربت کا راج ہو گیا یہاں تک کہ ۱۸۶۶ء کے قحط میں لاکھوں بنگالی بھوک پیاس نے نگل ڈالے۔ بہر حال سخت جان بنگال پھر بھی نہ صرف زندگی بلکہ آزادی کے تصور پر بھی قائم رہا۔ انگریز سے خلاصی کی آخری کوشش جنگ آزادی ۱۸۵۷ء جسے غدار، غدر کہتے ہیں، جس میں ناکامی نے ہندوستان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی، اس کی ابتدا کا شرف بھی بنگال کو حاصل ہوا۔ جب دمدم اور باراک کے دیسی فوجیوں نے مشتبہ کارتوس استعمال کرنے سے انکار پر سزاؤں کے خلاف آواز بلند کی۔ پہلے تو کلکتہ کو تاراج کیا اور آخر کار پایہ تخت دہلی تک پہنچ کر، آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کو پرچم جہاد بلند کرنے کا حوصلہ دیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی نے اہل ہندوستان کو علمی و سیاسی تحریکوں کی جانب متوجہ کیا۔ میدان جنگ میں ناکامی کے صرف نو سال بعد ۱۸۶۶ء میں، دیو بند مدرسے کا قیام جہاد آزادی کے مجاہدین و غازیان کی طرف سے عمل میں لایا گیا جس کے مزید نو سال بعد ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ سکول کی طرح، ناقد جہاد آزادی اور مصنف ” اسبابِ بغاوتِ ہند“ کی طرف سے ڈالی گئی۔ دس برس بعد ۱۸۸۵ء میں

ہندوستان کی پہلی سیاسی جماعت انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی اور برصغیر کے دونوں بڑے گروہ، ہندو اور مسلمان اسی پلیٹ فارم سے اپنے حقوق کے تحفظ اور آزادی کے حصول کے لیے کوشاں ہوئے۔ ان کوششوں میں سرگرمی بھی بنگال ہی کے طفیل پیدا ہوئی۔ ہوا یوں کہ ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن نے انتظامی سہولت کی خاطر بنگال کو مشرق و مغرب میں تقسیم کیا تو مشرقی بنگال کی مسلمان اکثریت کو بہت سارے فائدے حاصل ہوئے جو مغربی بنگال کے ہندو باسیوں کو راس نہ آئے۔ انھوں نے تقسیم کے خاتمے کی تحریک چلائی جو اگرچہ کامیاب تو چھے سال بعد ہوئی لیکن اس کے ردعمل میں ۱۹۰۶ء ہی میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا تو اس نئی جماعت کی جنم بھومی بننے کا شرف بھی بنگال ہی کے شہر ڈھاکہ کو حاصل ہوا۔ ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے اکیسویں سالانہ اجلاس میں علامہ اقبال نے مشہور زمانہ خطبہ الہ باد پیش کیا۔ اس خطبہ میں انھوں نے مسلمانوں کی خود مختیار، ریاست کا مطالبہ کر کے مسلم لیگ میں ایک نئی جان ڈال دی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں قرار دادِ پاکستان منظور کی گئی تو یہ قرارداد پیش کرنے کا سہرا، شیر بنگال مولوی فضل حق کے سر رہا۔ ان کے علاوہ حسین شہید سہروردی اور خواجہ ناظم الدین بھی تحریکِ پاکستان کے اہم ”بنگالی لیڈر“ تھے۔ مسلمانوں کی نئی ریاست ”پاکستان“ کا مطالبہ زور پکڑ تا رہا اور منزل نزدیک آتے دیکھ کر ”ہندو ہم وطنوں“ کا پیمانہ صبر جب لبریز ہو گیا تو اگست ۱۹۴۶ء میں تشدد کی پہلی لہر سہنے کا رتبہ بلند بھی بنگال کے مسلمانوں کو ملا۔ جب کلکتہ، بہار اور نواکھلی میں ان کے خون کی ہولی کھیلی گئی اور لگ بھگ سات ہزار مسلمانوں کو جام شہادت نوش کرنے کا موقع ملا۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ بنگال نے آزادی کے تمام مراحل دوسرے مسلمانوں کے شانہ بہ شانہ بلکہ بعض حالات میں تو قائدانہ طے کیے۔ خیر جب تقسیم ہند کا تاریخی وقت آیا تو بنگال کو پھر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ مغربی بنگال حسب سابق ہندوؤں کو دیا گیا اور مشرقی بنگال مسلمانوں کے حصے میں آکر مغربی پاکستان کا مشرقی پاکستان کہلایا۔ حصول پاکستان کی فتح کے ساتھ ہی ہم سقوط ڈھاکہ کی شکست کی طرف رواں ہو گئے۔ پہلے تو کئی سال تک دستور سازی کے بغیر ہی کار سلطنت جاری رہا۔ ہر سو مناصب اور مراتب کی کشاکش کا بازار گرم ہو گیا۔ بیرونی دشمنوں کے سامنے یکجا و یکجان قوم قومیتوں میں بٹ گئی۔ یہ درست ہے کہ پاکستان کے پہلے آٹھ وزرائے اعظم میں سے چار ”بنگالی“ تھے۔ لیکن یہ خبر بھی درست ہے کہ انھیں چلنے نہیں دیا گیا۔ خواجہ ناظم الدین اور محمد علی بوگرہ کو تو گورنر جنرل ملک غلام محمد

نے چلتا کیا اور سہروردی کو اس طرح مجبور کیا گیا کہ انھوں نے دست بدست استعفی پیش کر کے خلاصی حاصل کی اور جہاں تک بیچارے نور الامین کی بات ہے تو ان کی وزارت عظمیٰ اصل میں وزارت صغریٰ ہی کہلائی جا سکتی ہے کہ محض سترہ دن پر پھیلی ہوئی تھی۔ مشرقی و مغربی پاکستان کے تنازعہ میں بنگلہ زبان کا مسئلہ بھی اہم ہے جو قائداعظم کی زندگی میں ہی شروع ہو چکا تھا لیکن اس تیل پر جلتی کا کام اس پولیس گردی نے کیا جو ڈھاکہ میں طلبہ کے جلوس پر فائرنگ کی صورت میں ظاہر ہوئی تھی۔ اگرچہ ۱۹۵۴ء میں بنگالی وزیراعظم محمد علی بوگرہ کے دور میں بنگالی کو پاکستان کی دوسری قومی زبان قرار دے دیا گیا لیکن تب تک باہمی اعتماد و اتفاق میں دراڑیں پڑ چکی تھیں۔ آئین کا نہ ہونا سیاسی خلفشار کی ایک بڑی وجہ تھی لیکن خود اس آئین کے نہ ہونے کی وجہ مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے درمیان شراکتِ حکومت میں کسی تناسب پر اتفاق نہ ہونا تھا۔ پاکستان طے شدہ طور پر ایک جمہوری ملک تھا اور جمہوریت میں صحت کا اصول کثرت ہوتا ہے۔ زمینی حقیقت یہ تھی کہ مغربی پاکستان کے چار صوبے عددی اعتبار سے، مشرقی پاکستان کے اکلوتے صوبے سے کم تھے۔ بنگالی چاہتے تھے کہ ہمیں ہماری آبادی کے تناسب سے مرکز میں نمائندگی دی جائے اور مغربی صوبے یہ سمجھتے تھے کہ اکیلے صوبہ بنگال کو چار صوبوں پر ترجیح کیسے دے دی جائے۔ اس صورت حال میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی پہلی دو سفارشات پر تو اتفاق نہ ہو سکا البتہ محمد علی بوگرہ اپنے دور حکومت میں ایک قابل عمل فارمولا سامنے لانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس میں دو ایوان تشکیل دیے جانے تھے۔ آج کی اصطلاح میں ایک کو سینٹ (ہاؤس آف یونٹس) جبکہ دوسرے کو قومی اسمبلی (ہاؤس آف پیپل) کہا جا سکتا ہے۔ سینٹ میں پچاس نشتیں رکھی گئیں جن میں ہر صوبے کے لیے دس نشتیں خاص تھیں۔ گویا یہ ایوان برابری کے اصول پر تھا اور اس میں بنگال کو ان کی آبادی کے تناسب سے کم حصہ دیا گیا تھا۔ البتہ دوسرے ایوان یعنی قومی اسمبلی میں تین سو سیٹیں رکھی گئیں۔ یہاں برابری کے بجائے آبادی کے تناسب کو زیادہ پیش نظر رکھا گیا چنانچہ صوبہ بنگال کے لیے قومی اسمبلی کی ۱۶۵ نشتیں خاص کی گئیں اور مغربی پاکستان کے صوبوں (یا یونٹس) کے لیے ۱۳۵ سیٹیں مختص کی گئیں۔ اس پر مشرقی اور مغربی دونوں پاکستان راضی ہوئے۔ آئین سازی شروع ہوئی۔ قوم کو یہ خوشخبری سنائی گئی کہ بابائے قوم کی برسی (۲۵ دسمبر ۱۹۵۴ء) کے موقعے پر قوم کو دستور کا تحفہ دیا جائے گا۔ دشمنِ آئین و انصاف، گورنر جنرل ملک غلام محمد کو یہ صورت حال ایک آنکھ نہ

بھائی ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء کو اس نے دستور ساز اسمبلی کو منسوخ کر دیا۔ اکثر سیاست دان اور اراکین اسمبلی، چپ سادھے رہے۔ یہاں تک کہ وزیر اعظم محمد علی بوگرہ نے دوبارہ وزیر اعظم بن کر نئی کابینہ کے ساتھ مل کر ''کام دکھانا'' منظور کیا۔ اس موقعے پر ، کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خان کو بطور وزیر دفاع اور غدارِ ملت میر جعفر کے پڑپوتے میجر جنرل اسکندر مرزا کو وزیر داخلہ بنا کر کابینہ میں داخل کیا گیا۔ دوسری طرف '' مرحومہ دستور ساز اسمبلی'' کے زندہ سپیکر مولوی تمیز الدین خان نے بعض احباب کے تعاون سے سندھ ہائی کورٹ (چیف کورٹ) میں گورنر جنرل کے اقدام کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ یہاں کے چیف جسٹس جناب جارج کانسٹائین نے گورنر جنرل کے اقدام کو معطل قرار دے دیا۔ گورنر جنرل نے فیڈرل کورٹ میں اپیل کی یہاں ننگِ عدل وانصاف جسٹس منیر نے نظریہ ضرورت کے تحت گورنر جنرل کے اقدام کو درست اور سندھ کورٹ کے فیصلے کو معطل کر دیا۔ اب جب بوگرا دوسری دفعہ وزیر اعظم بنائے گئے تو اپنی پہلی آئینی تجاویز سے منحرف یا تائب ہو چکے تھے۔ انھوں نے ۲۲ نومبر ۱۹۵۴ء کو ''نیا بوگرا فارمولا'' پیش کیا جس کی رو سے مغربی پاکستان کے صوبوں اور، ریاستوں کو ضم کر کے ایک ہی صوبہ بنانا مقصود تھا۔ ذہنی طور پر مریض، گورنر جنرل ملک غلام محمد اب جسمانی طور بھی مفلوج ہو چکے تھے۔ چنانچہ ۶ اگست ۱۹۵۵ء میں وہ، وزیر داخلہ میجر جنرل اسکندر مرزا کو قائم مقام گورنر جنرل مقرر کر کے دو ماہ کی رخصت پر برطانیہ یاترا پر گئے۔ اسکندر مرزا نے وزیر اعظم محمد علی بوگرا کو تُرت وزارت عظمیٰ سے محروم کر کے خود کو غلام محمد کا حقیقی وارث ثابت کیا اور ۱۲ اگست ۱۹۵۵ء کو چودھری محمد علی کو وزیر اعظم بنا دیا۔ بعد ازیں بوگرا صاحب کو امریکہ کے لیے سفیر بنا کر ارسال کر دیا گیا۔ ۷ا، اکتوبر ۱۹۵۴ء کو کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان نے ایک '' نیا محاذ'' فتح کرتے ہوئے گورنر جنرل ملک غلام محمد کو سہارا دے کر استعفے کے پرچے پر دستخط کرائے۔ یوں ''ملکِ عاض'' کی حکومت کا اختتام اور سکندر اعظم کی پادشاہی کا آغاز ہوتا ہے۔ کچھ عرصے بعد بوگرا فارمولا کی غیر آئینی بوتل سے '' ون یونٹ'' کا جِن برآمد کر لیا گیا۔ جس طرح مشرقی پاکستان ایک ہی صوبے پر مشتمل تھا اسی طرح مغربی پاکستان کے صوبوں اور، ریاستوں کو ملا کر صوبہ مغربی پاکستان بنا ڈالا گیا۔ چھوٹے صوبے اور ریاستیں اس غیر منصفانہ اتحاد پر راضی نہ تھیں کہ اس سے ان کی سالمیت اور ثقافت کو خطرہ تھا۔ یہ منصوبہ قائد اعظم کے وعدوں اور سابقہ آئینی منصوبوں کے بھی خلاف تھا۔ لیکن جوڑ توڑ، دھونس، دھاندلی اور لالچ سے

سیاستدانوں کو رام کرتے ہوئے اولاً صوبائی اسمبلیوں اور پھر قومی اسمبلی سے اس بل کو اتحاد و اتفاق کی تقاریر کے سائے میں منظور کراکر ۱۴، اکتوبر ۱۹۵۵ء کو نافذ کر دیا گیا دھونس دھاندلی اور سیاسی رشوت کی مثالیں وزیر اعلی سندھ عبد الستار پیرزادہ کو برطرف کرکے ایوب کھوڑو کو ان کی جگہ مقرر کرنا اور مغربی صوبے کا وزیر اعلیٰ، اُس ڈاکٹر عبد الجبار خان کو بنانا جو ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں صوبہ سرحد میں کانگریس کے پلیٹ فارم سے مسلم لیگ کو شکست دے کر سرحد کا وزیر اعلیٰ بنا تھا اور جس نے ۱۹۴۷ء میں وزارت چھوڑ دی لیکن پاکستان کے جھنڈے کو سلامی دینا گوارا نہ کیا۔ اتحاد و اتفاق قوم کے نام پر ہونے والی اس تقسیم نے قوم کو بری طرح تقسیم کیا۔ ون یونٹ سے بنگال نے بجا طور پر سمجھا کہ یہ سب کچھ ہماری اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ نئی مجلس قانون ساز اسمبلی، وزیر اعظم چودھری محمد علی کی قیادت اور گورنر جنرل، میجر جنرل اسکندر مرزا کی " سیادت " میں متحرک تھی۔ جس نے جنوری ۱۹۵۶ء میں آئین کی تکمیل کرلی۔ ملک کے دو ہی صوبے تھے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان، جن کے اختیارات محدود تھے مرکز مضبوط تھا اب حکومت کا ایک ہی ایوان قومی اسمبلی تھا۔ صدر مملکت کو وسیع اختیارات سونپے گئے تھے۔ ملک کے دونوں حصوں کو حکومت میں حصہ جمہوری اصول کے بجائے برابری کے اصول پر دیا گیا تھا۔ اگرچہ سرکردہ بنگالی راہنماؤں کو اس پر " راضی " کرا دیا گیا تھا حتی کہ عوامی لیگ کے حسین شہید سہروردی بھی راضی ہو چکے تھے۔ لیکن عوامی لیگ کی عوامی قیادت اس پر ناراض تھی۔ فروری ۱۹۵۶ء میں قومی اسمبلی نے نئے آئین کی منظوری دے دی۔ نئے دستور میں گورنر جنرل کا عہدہ ختم کر دیا گیا اور اس کی جگہ صدر کا عہدہ ایجاد کیا گیا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء سے دستور نافذ العمل ہو گیا اور اسی دن میجر جنرل اسکندر مرزا نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے پہلے صدر کے طور پر " ریاست و دستور کی پاسداری " کا حلف اٹھالیا۔ جس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس نے کسی وزیر اعظم کو ٹکنے نہیں دیا۔ ستمبر ۱۹۵۶ میں چوہدری محمد علی نے استعفیٰ دیا۔ ان کے بعد بنگالی سیاستدان اور تحریک پاکستان کے نامور راہنما حسین شہید سہروردی وزیر اعظم مقرر ہوئے جو ۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ سے لے کر ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۷ تک وزیر اعظم رہنے کے بعد مستعفی ہوئے۔ ان کے بعد دو ماہ کے لیے ابراہیم اسماعیل چندریگر کو وزیر اعظم بنایا گیا جنھیں ۱۶ دسمبر ۱۹۵۷ کو مستعفی ہونا پڑا۔ اس کے بعد قرعہ فال پنجاب کے نام نکلا یہاں سے ملک فیروز خان نون ۱۶ دسمبر ۱۹۵۷ء سے ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ تک وزیر اعظم رہے۔ ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء وہ سیاہ دن ہے

جب صدر مملکت میجر جنرل اسکندر مرزا، اور کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان نے ساز باز کر کے پاکستان کا پہلا ہمہ گیر مارشل لا لگایا۔ تمام اہم مقامات پر فوج نے قبضہ کر لیا۔ دونوں صوبوں اور مرکز کی اسمبلیاں اور کابینہ توڑ دی گئیں۔ نو سالہ محنت سے تیار ہو کر ۱۹۵۶ء میں نافذ ہونے والے دستور کو معطل کر دیا گیا:

سو بار ہوئی حضرت انسان کی قبا چاک　　　اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں

نظریہ ضرورت کے خالق جسٹس منیر نے ایک کیس کی سماعت کے دوران مارشل لا کو انقلاب کہتے ہوئے قرار دیا کہ کامیاب انقلاب خود ہی دستور و قانون ہوتا ہے۔ کمانڈر انچیف جنرل ایوب نے اس سنہری اصول کو پلے باندھ لیا اور ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کی آدھی رات کو صدر اسکندر مرزا کو گرفتار کر کے ایک نیا کامیاب انقلاب برپا کر دیا اور صدر مملکت کی کرسی پر بھی خود قابض ہو گئے۔ ایوب خان کی مارشل لائی کابینہ میں ۴ جرنیلوں سمیت قائد و شہیدِ جمہوریت ذوالفقار علی بھٹو بھی شامل تھے۔ صدر ایوب نے جون ۱۹۶۲ میں نیا آئین نافذ جس کے تحت وہ مارچ ۱۹۶۵ء تک صدر نامزد ہو گئے۔ تمام اختیارات صدر کی ذات میں جمع کر دیے گئے تھے صوبوں کے اختیارات بہت محدود کر دیے گئے۔ براہ راست انتخابات کے بجائے بنیادی جمہوریت کا فلسفہ تراشا گیا۔ اس نئے سیاسی نظام میں اپنی جگہ بنانے کے لیے کنونشل مسلم لیگ بنا کر اس کا صدر بن بیٹھے۔ اگرچہ ایوبی دور کے ابتدائی حصے میں کئی اچھے کام مثلاً مہنگائی میں کمی اور صنعتوں کا قیام وغیرہ انجام دیے گئے لیکن جرنیلی جبر و استبداد نے ایوب خان کو ناپسندیدہ بنا دیا۔ ایوب خان نے صحافت و سیاست کا گلا گھونٹ دیا۔ جماعتوں پر پابندی اور سیاست دانوں کو نااہل یا پابند سلاسل کیا گیا۔ عدالتوں کو پابند کیا گیا کہ وہ مارشل لا حکّام یا فوجی عدالتوں کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں دے سکتیں۔ ۱۹۶۴ء صدارتی انتخابات اور صوبائی انتخابات میں دھاندلی اور معاہدہ تاشقند میں ناکامی کے الزام نے ان کی مقبولیت کو خاک میں ملا دیا۔ کرپشن میں اضافے، انتظامیہ میں فوجی عمل دخل اور فوجوں کی مراعات میں بے تحاشا اضافے اور مارشل لا کی طوالت نے عوام کو حکومت سے بیزار کر دیا۔ ملک کے طول و عرض میں متحدہ اپوزیشن نے احتجاجی تحریک شروع کر دی۔ ایوب خان نے اپنی ہی بنائے ہوئے آئین کو معطل کر کے ایمرجنسی نافذ کر دی۔ فروری ۱۹۶۶ میں متحدہ اپوزیشن کا لاہور میں اجلاس ہوا۔ جس میں شیخ مجیب الرحمن نے اپنے مشہور چھے نکات پیش کیے۔ دوسری جماعتوں نے ان

نکات سے اختلاف کرتے ہوئے علاحدگی کا منصوبہ قرار دے دیا۔حکومت نے تمام اپوزیشن لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا۔معاہدے تاشقند پر احتجاج کر کے استعفی دینے والے سابق وزیر خارجہ مسٹر ذو الفقار علی بھٹو پاکستان پیپلز پارٹی بنا کر ایوب مخالف تحریک میں شامل ہو گئے۔ان دنوں ایوب نے جنرل یحی خان کو کمانڈر انچیف بنا دیا۔ مجیب الرحمن اور دیگر پینتیس افراد کو ’’اگر تلہ سازش کیس‘‘ میں گرفتار کر لیا۔جب حکومت تحریک کو نہ دبا سکی تو ۱۹۶۸ کے آخر میں تمام سیاسی لیڈروں کو رہا کر کے انھیں گول میز کانفرنس کی دعوت دی گئی۔جس کے نتیجے میں ایمر جنسی اٹھا دی گئی۔ایوب خان ملک میں صدارتی کے بجائے پارلیمانی نظام اور بنیادی جمہوریت کے بجائے براہ راست بالغ رائے دہی کی بنیاد پر الیکشن اور آئندہ صدارتی انتخابات میں شرکت سے اجتناب پر راضی ہوئے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۶۹ء کو فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے اپنے عہدے سے الگ ہونے اور اقتدار کمانڈر انچیف جنرل آغا محمد یحیٰی خان کے سپرد کر دیا جو مارشل لا ایڈ منسٹریٹر بن گئے۔ انھی کے دورِ حکومت میں پاکستان ٹوٹنے کا سانحہ پیش آیا:

مکاں کے اک ستون نے مکاں گرا کے رکھ دیا وہ زندگی سے کیا گیا، دھواں اڑا کے رکھ دیا

یکم جنوری ۱۹۷۰ء سے سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی اٹھالی گئی جبکہ دسمبر میں الیکشن منعقد ہونے تھے۔بنگال کے اکثر طبقات پاکستان سے ذہنی رشتہ توڑ چکے تھے پاکستان آرمی کے بنگالی جوان اور افسران، مغربی پاکستان کے جوانوں اور افسروں سے روکا پھیکا رویہ رکھتے تھے شیخ مجیب اور اس کے چھ نکات سے ہمدری عام تھی۔ شیخ مجیب نے ۱۱ جنوری کو پلٹن گراؤنڈ میں عوامی لیگ کے عظیم الشان جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے ۱۹۵۶ کے آئین میں برابری کا اصول مان کر غلطی کی تھی۔اب ہم اس کی مزاحمت اور بنگالی حقوق کی حفاظت کریں گے۔ عوامی لیگ نے دوسری سیاسی جماعتوں کے جلسے جلوسوں میں گڑبڑ پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں کیں۔ اس طرح تمام جماعتوں کی انتخابی مہم ناکام ہوئی اور ہر طرف عوامی لیگ کا طوطی بولنے لگا۔ عوامی لیگ نے مختلف طبقات کو اپنے ساتھ ملا کر جلوس و ہڑتال اور پر تشدد کاروائیوں سے انتظامیہ کی ناک میں دم کر دیا۔فائرنگ اور بم دھماکوں سے ہر طرف خوف و ہراس کے سائے چھا گئے۔ جون ۱۹۷۰ میں ون یونٹ توڑ کر صوبائی حکومتیں بحال کر دی گئیں البتہ ریاستوں کو مختلف صوبوں میں ضم کر دیا گیا۔ ان حالات میں دسمبر کا مہینہ آ گیا۔

۷ دسمبر ۱۹۷۰کو پاکستان کی تاریخ کے پہلے عام انتخابات تھے۔ قومی اسمبلی کے ۳۰۰، اراکین میں سے ۱۶۲ مشرقی پاکستان جبکہ ۱۳۸ مغربی پاکستان میں سے منتخب ہونے تھے۔ پولنگ فوج کی نرم نگرانی میں ہوئی۔ مشرقی پاکستان کی کل ۱۶۲ میں سے ۱۶۰ سیٹیں عوامی لیگ نے جیت لیں۔ مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی ۸۲ سیٹوں کے ساتھ سرِفہرست تھی لیکن دونوں اکثریتی پارٹیوں کو دوسرے بازو میں کوئی سیٹ نہ حاصل ہوسکی تھی۔ اس صورت حال کے شراکت داروں کے ذہن دیکھیے: شیخ مجیب کا کہنا تھا کہ ہم چھ نکات کی بنیاد پر الیکشن جیتے ہیں اور ان کے مطابق آئین کی تشکیل ضروری ہے اور الیکشن کے نتائج کو سبوتاژ کرنے والوں کو بنگالیوں کی لاٹھیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بھٹو کا کہنا تھا کہ ہمارے بغیر کوئی آئین سازی نہیں ہو سکتی اور ہم بنگالیوں کے علیحدگی کے منصوبے کی حمایت نہیں کرسکتے۔ فوجی ذہن ایک فوجی آفیسر کے الفاظ سے یوں جھلکتا ہے ’’ ہم ان کالے حرامیوں کو اپنے اوپر ہرگز حکومت نہ کرنے دیں گے ‘‘۔ چاہیے تو یہ تھا کہ انتخابی نتائج کے بعد جلد قومی اسمبلی کا اجلاس بلایا جاتا لیکن اس میں تاخیر ہوتی رہی۔ مجیب الرحمن نے اعلان کیا کہ زیادہ سے زیادہ ۱۴ فروی تک قومی اسمبلی کا اجلاس بلایا جائے لیکن ذولفقار بھٹو اسمبلی سے باہر کوئی سمجھوتہ چاہتے تھے اس لیے وہ اسمبلی کے اجلاس کے انعقاد کے حق میں نہ تھے۔ جنوری ۱۹۷۱ء سے مارچ تک یحیٰ مجیب اور پھر بھٹو شیخ، غیر نتیجہ خیز مذاکرات ہوئے۔

فروری ۷۱ کے وسط میں حکومت نے اعلان کیا کہ اسمبلی کا اجلاس ۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو ڈھاکہ میں ہوگا۔ دو روز بعد ذوالفقار بھٹو نے اس اجلاس کا بائیکاٹ کرتے ہوئے اعلان کیا’’ اگر پیپلز پارٹی کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی تو کراچی سے خیبر تک طوفان برپا کردوں گا‘‘شیخ مجیب اور مغربی پاکستان کی انتظامیہ نے بارہا درخواست کی کہ اگر ملتوی کرنا ہے تو ساتھ ہی نئی تاریخ مقرر کردیں۔ لیکن حکومت نے اجلاس بغیر کسی نئی تاریخ کے ملتوی کر دیا جس پر عوامی لیگ کی طرف سے پرتشدد اور اشتعال انگیز احتجاج شروع ہوگیا۔ فوج کی فائرنگ سے کئی آدمی ہلاک ہوئے تو تحریک میں تیزی آ گئی۔ ۲ اور ۳ مارچ کو ڈھاکہ اور پورے صوبے میں ہڑتال اور پھر چند روز کی مہلت دینے کے بعد عدم تعاون کی تحریک کا آغاز کر دیا۔ ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کی شب شیخ مجیب کو گرفتار کرکے، سرچ لائٹ کے نام فوجی آپریشن شروع کیا گیا۔ ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کو پاکستانی فوج کے ایک باغی افسر میجر ضیا الرحمان نے آزاد مشرقی پاکستان کا اعلان چٹاگانگ میں کیا۔ دوسری طرف بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے

باغیوں سے تعاون کا اعلان کر دیا اور کلکتہ میں بنگلہ دیش کی جلاوطن حکومت قائم کی گئی۔ ایسٹ بنگال رجمنٹ اور ایسٹ پاکستان رائفلز نے بغاوت کر دی۔ انھیں پاکستان آرمی کے سابق کرنل عطاالغنی عثمانی نے مکتی باہنی کی صورت منظم کیا۔ عوامی لیگ کے رضاکاروں، یونیورسٹی کے طلبہ اور عام بنگالیوں کو مکتی باہنی میں شامل کرکے انھیں تربیت دی گئی۔ بھارتی افسران بھی اس میں شامل تھے۔ تاہم بندوقوں کی دونوں جانب بظاہر پاک فوج کے جوان وافسران تھے۔ مارچ سے لے کر مئی تک یہ فوجی آپریشن چلتا رہا اور مختلف شہر باغیوں کے قبضے سے چھڑائے بھی گئے۔ اس عرصے میں ہزاروں کی تعداد میں باغی جبکہ سیکنڑوں کی تعداد میں فوجی مارے گئے۔ باغیوں نے غیر بنگالیوں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا۔ مکتی باہنی مختلف تخریبی کاروائی کرتی رہی۔ کہیں بارودی سرنگ بچھا دیتے، کبھی دستی بم، اور کبھی ریموٹ کنٹرول بم دھماکہ کر دیا، ریل کی پٹڑیاں اکھاڑ دیں یا بجلی کی تنصیبات اڑادیں۔ اگست اور ستمبر سے انھوں نے فوجی قافلوں پر حملے اور اہم شخصیات کو قتل کرنا شروع کیا۔

مارچ میں فوجی آپریشن شروع ہوتے ہی ہندوستان نے مشرقی پاکستان میں مداخلت کے لیے سفارتی اور جنگی دونوں محاذوں پر تیاری شروع کر دی۔ جون کے مہینے سے انڈیا نے سرحدوں پر بمباری کے علاوہ اس نے سرحدوں کے اندر جنگی اہمیت کے مقامات پر قبضہ اور مورچہ بندی شروع کر دی ہماری طرف سے واویلے علاوہ کوئی موثر کاروائی نہ کی گئی۔

بنگال میں پاک فوج کے صرف ۲ ڈویژن فوج موجود تھی نومبر کے وسط میں ایسٹرن کمانڈ نے مغربی پاکستان سے دو ڈوریژن فوج مزید طلب کی تو وہاں سے صرف آٹھ پلٹن بھیجنے کا وعدہ ہوا ہے۔ پانچ پلٹنیں نومبر کے آخر میں پہنچیں جبکہ تین پہنچ ہی نہ سکیں۔ جبکہ مقابلے میں آٹھ ڈویژن فوج موجود تھی۔ مکتی باہنی کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔ محب وطن رضا کاروں کو جن میں اکثریت جماعت اسلامی کے کارکنان کی تھی الشمس اور البدر کے نام سے منظم کیا گیا انھوں بہت قربانیاں دیں۔

پاک آرمی کی ہائی کمان کی پیشہ ورانہ لیاقت کا حال یہ تھا کہ بار بار ایسٹرن کمان کو بنگالی رجمنٹوں اور یونٹوں کو ختم کر کے ان کی نفری کو دوسری یونٹوں میں ضم کرنے کی بروقت اجازت، بار بار مانگنے کے باوجود نہیں دی گئی۔ اسی طرح آپریشن کے بعد باغیوں کے لیے عام معافی کی اجازت اپریل سے مانگی جاتی رہی لیکن اس کی اجازت کوئی چار ماہ بعد جا کر دی گئی جب باغی انڈیا میں پناہ حاصل کر کے مکتی باہنی میں شامل ہو چکے تھے۔

پاک فوج کی ہائی کمان کا اخلاقی حال یہ تھا کہ کمانڈر ایسٹرن کمانڈ ٹکا خان سے چارج لیتے وقت جنرل نیازی نے پوچھا ''اپنی داشتاؤں کا چارج کب دو گے''۔ (میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا) جون میں جب صدر یحیٰ خان کو بار بار مشرقی پاکستان بلایا جا رہا تھا تو بہت دیر کر کے جب وہ کراچی پہنچے تو بقول ایک میجر جنرل کے ''اس کتیا'' کے چنگل میں ایسے پھنسے کہ ڈھاکہ جانا ہی بھول گئے۔ سی ایم ایچ کی نرسوں نے جب متوقع شکست کے پیشِ نظر عرض کیا کہ ہمیں مکتی باہنی کے غنڈوں کے ہتھے چڑھنے سے پہلے مغربی پاکستان بھجوا دیں کیونکہ وہ عورتوں کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے ہیں تو جنرل نیازی کا جواب یہ تھا۔ خدانخواسہ ہمیں شکست ہو گئی تو مکتی باہنی کے ہاتھ آنے سے پہلے ہم خود آپ کو ہلاک کر دیں گے۔۔ (میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا صفحہ: ۱۰۰، ۱۱۶، ۱۱۷، ۲۰۲)

۳ دسمبر سے جب کھلی جنگ شروع ہوئی تو ابتدا ہی میں ڈھاکہ کا اکلوتا ہوائی اڈہ ناکارہ ہو گیا اور کوئی جہاز اڑان کے قابل نہ رہا۔ بحریہ میں چند کشتیاں تھیں۔ برّی فوج کو تعداد اور ایمونیشن کی کمی لاحق تھی۔ رسد کے راستے مسدود ہونے سے وہ راشن کی کمی کا بھی شکار ہو رہے تھے۔ عوام الناس کی اکثریت مخالف تھی۔ لمبے عرصے کی انتظامی ڈیوٹی اور مارچ سے جاری فوجی آپریشن اور مقامی آبادی کی تخریبی کارروائیوں نے پہلے ہی پاک آرمی کو تھکا رکھا تھا۔ جنگ کے بالکل ابتدائی دنوں ہی سے پاکستانی فوجوں نے پسپائی شروع کر دی تھی جنرل نیازی کی طرف سے ہر طرف سب ٹھیک ہے کی رپورٹ جا رہی تھی۔ ۷ دسمبر کو پہلی دفعہ انھوں گورنر ڈاکٹر مالک کے سامنے فوج کی پسائی کا اعتراف بچوں کی طرح آنسو بہا کر کیا۔ گورنر نے ۷ دسمبر کو صدر مملکت کو تار بھیجا کر خراب صورت حال سے آگاہ کیا اور درخواست کی کہ وہ جنگ بندی اور سیاسی تصفیے کی کوشش کریں۔ کوئی جواب پا کر اگلے دن انھوں نے ایک اور تار بھیجا لیکن جواب ندارد۔!! ۹ دسمبر ۱۹۷۱ء کو نیازی نے صدر کو نازک صورت حال سے آگاہ کیا۔ اب صدر نے گورنر مالک کو کسی مناسب فیصلے کا اختیار دے دیا۔ اگلے دنوں میں ڈاکٹر مالک نے ڈھاکہ میں موجود اقوام متحدہ کے اسسٹنٹ سیکرٹری کو خط لکھا جس میں عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے اقتدار کرنے، بھارتی فوجوں کی واپسی، پاکستانی فوجوں کی باعزت واپسی، جنگ بندی وغیرہ کی بات کی گئی۔ ذوالفقار بھٹو نے اس خط پر بہت شور مچایا کہ میں تو چین اور امریکہ کو مداخلت پر آمادہ کر رہا تھا لیکن میری کوششیں ضائع ہو گئیں۔ اس پر مرکز نے جنگ بندی کی

درخواست کی تردید کردی تو معاملہ رک گیا۔ اس دوران مغربی پاکستان سے افواہ چلی کہ چین اور امریکہ ہماری مدد کو آرہے ہیں۔ لیکن ان ان ملکوں کے نمائندوں نے ایسی کسی کاروائی سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس انتظار میں چندروز گزر گئے۔ ڈھاکہ میں ایمونیشن اور راشن ایک ماہ کے لیے کافی تھا لیکن نفری نہ تھی، فوج، پولیس اور رضاکاروں کو ملاکر ساڑھے پانچ ہزار نفری تھی جو کم تھی۔

۱۲ دسمبر کو جنرل نیازی کی خواہش پر گورنر کی طرف سے صدر کا تار بھیجا گیا لیکن ۱۴ دسمبر تک کوئی جواب نہ آیا تو گورنر ڈاکٹر مالک نے استعفیٰ دے دیا۔ اسی دن انڈیا کے جہازوں نے ڈھاکہ پر بمباری کی جس سے گورنر ہاؤس کے مرکزی ایوان کی چھت اڑگئی۔ ڈاکٹر مالک ان کے وزرا اور اعلی سرکاری افسران نے ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل سے رجوع کیا جسے ریڈ کراس نے غیر جانبدار علاقہ قرار دیا تھا۔ یہ تحریری اقرار کرنے پر کہ ہمارا دونوں ملکوں سے کوئی تعلق نہیں انھیں یہاں پناہ ملی۔

۱۴ دسمبر کو جنرل نیازی نے صدر کو جنگ بندی کے لیے درخواست کی۔، وہاں سے جواب آیا آپ جو مناسب کاروائی کریں آپ کو اجازت ہے۔ جنرل نیازی اور جنرل فرمان، امریکی قونصلر سے ملے اور انڈین آرمی چیف جنرل مانک شاہ کے نام پیغام لکھا گیا جس میں بعض تحفظات مثلاً بیماروں اور زخمیوں کی حفاظت، پاکستانی مسلح افواج کا تحفظ اور مکتی باہنی سے عوام اور حکومت حمایتی لوگوں کے تحفظ وغیرہ پر، جنگ بندی کی درخواست کی گئی۔

۱۵ دسمبر کو مانک شا کا مثبت جواب ملا جو راولپنڈی ارسال کیا گیا وہاں سے اسی دن منظوری ہوگئی چنانچہ دونوں کمانڈروں نے مزید تفصیلات طے کرنے کی غرض سے، ۱۵ دسمبر شام پانچ بجے سے سہ پہر ۱۶ دسمبر تک جنگ بندی کی۔ البتہ اس دوران بھارتیوں کی پیش قدمی جاری رہی۔ ۱۶ دسمبر کی صبح ایک بھارتی دستہ ڈھاکہ کے باہر میرپور پل پر پہنچ گیا لیکن یہاں پاک فوج کی طرف سے مزاحمت پر کچھ نقصان اٹھاکر پسپا ہوا۔ اس کے پیچھے میجر جنرل ناگرا آرہا تھا۔ اس نے یہاں پہنچ کر، نیازی کو ایک مختصر خط لکھا "پیارے عبداللہ، میں میرپور پل پر ہوں اپنا نمائندہ بھیج دو"۔ استقبال کو میجر جنرل جمشید کو بھیجا گیا۔ انھوں نے میجر سلامت کو فائر سے روک کر "سیزفائر" کے آداب کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔ انگلی لبلبی سے ہٹ گئی اور جنرل ناگرا بغیر گولی چلائے ڈھاکہ میں داخل ہوگیا۔ سہ پہر کو انڈین ایسٹرن کمانڈ کے چیف آف سٹاف جنرل جیکب ایرپورٹ پر

اترے اور اپنے ساتھ دست آویزِ سقوط لے کر آئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد انڈین ایسٹرن کمانڈر جنرل جگجیت سنگھ اروڑا ایر پورٹ پر اترے جن کا استقبال جنرل نیازی نے کیا۔ جب وہ اپنی بیوی کے ہمراہ اترا تو بنگالی مرد وعورتوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور پھولوں کے ہار پہنائے۔ بنگالی چہروں پر انڈین کے لیے تشکر اور پاکستانیوں کے لیے نفرت کے جذبات عیاں تھے۔

فاتح و مفتوح جرنیل یہاں سے سیدھے رمنا ریس گراؤنڈ گئے۔ جہاں لاکھوں بنگالیوں کے سامنے نیازی نے ہتھیار پھینکنے تھے۔ ایک چھوٹی سے میز پر سقوط کی دستاویز پر دستخط ہوئے اور نیازی نے اپنا ریوالور خالی کر کے اروڑا کو پیش کیا۔ جس نے گارڈ آف آنر کا معائنہ بھی کیا۔ چونکہ ابھی انڈین آرمی کی تعداد پاکستانی فوجیوں کو " مکتی باہنی " کے آتش غضب سے بچانے کے لیے ناکافی تھی اس لیے چھوٹے ہتھیار رکھنے کی اجازت دی گئی ورنہ اصولی طور پر اب پاک فوجی قیدی تھے۔ ۱۹ دسمبر کو ڈھاکہ کے پاکستانی فوجیوں کو غیر مسلح کیا گیا اور ڈھاکہ چھاؤنی کے گولف گراونڈ میں پاک فوج کے افسروں سے ہتھیار ڈلوانے کی تقریب منعقد ہوئی۔ دوسرے مقامات پر بھی فوج نے ۱۶ سے ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کے درمیان ہتھیار ڈالے۔ مکتی باہنی، پنجابیوں، پٹھانوں اور بہاریوں وغیرہ کے قتل وغارت میں جبکہ انڈین آرمی مال سمیٹنے میں مصروف تھی۔

غیر بنگالیوں کی لوٹ کھسوٹ اور قتل وغارت کا سلسلہ جاری تھا، انڈین فوج کو مال غنیمت سمیٹنے سے فرصت نہ تھی جب یہاں سے فارغ ہوئے تو قیدیوں کو کلکتہ منتقل کرنا شروع کیا۔ آرمی کے افسران کو اسی فورٹ ولیم میں رکھا گیا جہاں کبھی سراج الدولہ نے انگریزوں کو شکست فاش دی تھی۔ سانحہ ڈھاکہ کے ۴۵ سال بعد، ۱۶ دسمبر ۲۰۱۶ء میں پشاور کے آرمی پبلک سکول پر دہشت گرد حملہ ہوا تھا۔ یہ واقعہ شاہد ہے کہ ہم نے تاریخ کوئی سبق نہیں سیکھا کیوں کہ ہماری سیاسی پالیسی اور سیاسی قیادت اسی رخ پر چل رہی ہے جس کے نتیجے میں سقوط ڈھاکہ ہوا تھا۔

*****

مولانا حماد احمد ترک

نائب مدیر ماہنامہ مفاہیم کراچی

سورۃ الدہر: آیت ۸

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾

اور وہ اللہ کی محبت کی خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں

پسِ منظر

امام ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے قیدیوں کو کھلانے کی تشریح میں امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا: نبی اکرم ﷺ مسلمانوں کو قیدی نہیں بناتے تھے۔ یہ آیت تو مشرک قیدیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنھیں مسلمان قیدِ بامشقت میں رکھتے تھے، پھر یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ بھلائی کا حکم فرمایا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ آیت ایک انصاری صحابی کے لیے نازل ہوئی کیونکہ انھوں نے ایک دن میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلایا۔ (تفسیر المنیر) امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اس آیت کے سببِ نزول میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لیے نازل ہوئی جب انھوں نے ایک باغ کو سیراب کر کے تھوڑی سی جو کمائی۔ پہلے دن ایک تہائی جو پیسی اور کھانے لگے تو مسکین آگیا، اسے دے دی۔ پھر دوسری تہائی اسی طرح یتیم کو اور تیسری تہائی قیدی کو دے دی، اسے عطا رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ (زاد المسیر) لیکن شیخ وہبہ نے لکھا ہے کہ اس واقعے کی صحت

میں شبہہ ہے۔(تفسیر المنیر) سب سے شاندار بات امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی: ”صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت تمام نیک لوگوں کے لیے نازل ہوئی، جو بھی نیک کام کریں یہ آیت ان کے لیے عام ہے“۔(تفسیرِ قرطبی)

تشریح

بعض مفسرین نے علی حُبّہٖ سے مراد اللہ تعالیٰ کی محبت لی ہے اور بعض نے کھانے کی محبت مراد لی ہے۔(زاد المسیر) شیخ وہبۃ الزحیلی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”اور وہ کھانا کھلاتے ہیں حالانکہ وہ خود کھانے کو محبوب رکھتے ہیں، ایسے محتاج فقیر کو جو کمانے سے عاجز ہو، اور غمگین یتیم کو جس نے اپنے والد اور اہل خانہ کو کھو دیا ہو اور اس قیدی کو جو پابندِ سلاسل ہو یا غلام ہو، اگرچہ (قیدی) مسلمان ہو یا مشرک۔ اور کھانا کھلانے کا ذکر اس لیے کیا کہ اسی سے زندگی باقی رہتی ہے، انسان ٹھیک رہتا ہے اور یہ احسان کبھی نہیں بھولتا“۔

مسلم شریف میں روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بندہ کہتا ہے: میرا مال، میرا مال، بتا! کیا تیرے پاس اس کے سوا کوئی مال ہے کہ جسے تونے کھا کر ختم کر دیا، یا پہن کر بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر کے (آخرت کے لیے) چھوڑ دیا“۔ مسندِ احمد کی ایک روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ہی بہترین ہے عمدہ مال نیک آدمی کے لیے“۔ کیونکہ وہ اسے نیک کاموں میں خرچ کرتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک سخی آدمی اللہ تعالیٰ کے بھی قریب ہوتا ہے، لوگوں کے بھی قریب ہوتا ہے اور جنت کے بھی قریب ہوتا ہے، اور جہنم سے دور ہوتا ہے“۔ ترمذی شریف کی ہی ایک اور روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کی مدد چھوڑتا ہے، اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتے رہتے ہیں، جو اپنے کسی مسلمان بھائی کی پریشانی دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس سے قیامت کی پریشانیوں میں سے کوئی پریشانی دور کر دیں گے، اور جو کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب پر پردہ ڈال دیں گے“۔

درج بالا اقوال و روایات کی روشنی میں ہم پر لازم ہے کہ اپنے گھر، خاندان، محلے اور شہر میں ایسے محتاج افراد کی خبر گیری

کریں اور ان کی مدد کریں۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ترجیحِ اول اگرچہ اپنے رشتے دار اور ہمسائے ہیں لیکن اس دنیا میں جتنے کلمہ گو مسلمان ہیں وہ سب ہمارے بھائی ہیں اور ہماری توجہ اور اعانت کے مستحق ہیں، لہذا ہمیں پوری دنیا کے مسلمانوں خصوصا مجاہدین اور ان کے لواحقین کے احوال سے باخبر رہنا چاہیے، اور ان کی مقدور بھر معاونت کرتے رہنا چاہیے۔

*****

ابنِ عباس
معاون قلم کار

دو مسلمانوں میں تفریق کا سبب

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَا تَوَادَّ اثْنَانِ فِي اللهِ جَلَّ وَعَزَّ أَوْ فِي الْإِسْلَامِ، فَيُفَرِّقُ بَيْنَهُمَا إِلَّا بِذَنْبٍ يُحْدِثُهُ أَحَدُهُمَا» (الأدب المفرد)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا یا اسلام کے لیے باہم دو محبت کرنے والوں میں تفریق نہیں پڑتی مگر اس گناہ کے سبب جو ان میں سے کسی ایک نے کیا ہو“۔

تشریح

انسانوں کی باہمی دوستی بہت سارے فوائد کا ذریعہ ہے۔ لیکن یہ دوستی جب ایمان واسلام کی بنیاد پر اور للہ فی اللہ کی جائے تو اس کے فوائد وبرکات بڑھ جاتے ہیں۔ دینی بھائی چارہ نہ صرف دنیوی فوائد کا ذریعہ ہے بلکہ آخرت کے انعام واکرام کا بھی ذریعہ ہے۔ دوسری طرف گناہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا موجب ہیں پس اگر انسان اللہ کی نافرمانی سے نہ بچے بلکہ گناہوں پر کمر کس لے تو ان گناہوں کی دنیاوی سزاؤں میں سے ایک سزا وہ ہے جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے کہ انسان اپنی سچی دوستیوں اور بھائی چارے سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ اللہ کے بندے باہم مربوط نہ ہو سکیں ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ

أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾(المائدۃ:۹۱) ”شیطان یہی تو چاہتا ہے کہ تمھارے درمیان عداوت اور دشمنی ڈال دے شراب اور جوئے کے ذریعے“۔ سلف اس بات کو ایک اصول کے درجے میں دیکھتے تھے چنانچہ حضرت موسیٰ کاظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تمھارا دوست تم سے بدل جائے تو جان لو ایسا تمھارے کسی گناہ کی وجہ سے ہوا ہے پس اللہ کی جناب میں تمام گناہوں سے توبہ کرو تمھاری دوستی اور محبت مضبوط ہو جائے گی۔(التنویر شرح جامع الصغیر) جاننا چاہیے یہ اصول اگرچہ فرد کی سطح کا بیان ہوا ہے لیکن جماعت کی سطح پر بھی یہ اصول کارگر ہے۔اگر ایک فرد گناہگاری اختیار کرے تو دوسرے فرد کی محبت و تعلق سے محروم ہو جائے گا۔اسی طرح ملت اسلامیہ کے بڑے بڑے گروہ مثلاً مختلف قومیں یا قبیلے جو ایک دوسرے کی دوستی کا دم بھرتے ہوں اگر اللہ کی اطاعت ترک کر کے نافرمانی اور فسق و فجور اختیار کرلیں تو باہم تفرق و تشتت کا شکار ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

* * * * *

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

مدیر ماہنامہ مفاہیم کراچی

برکت و تبرکِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (۲)

نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مستعمل پانی کی برکت

غزوۂ تبوک کے موقعے پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے چشمے پر پہنچے تو دیکھا کہ اس میں پانی بہت ہی کم ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس سے ایک تسمے کے برابر پانی نکلتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چُلو بنا کر کچھ پانی جمع کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چشمے کے پاس کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ اور چہرہ اس طرح دھوئے کہ استعمال شدہ پانی دوبارہ چشمے ہی میں گر گیا۔ آپ کے استعمال شدہ پانی کی برکت سے چشمے سے خوب پانی جاری ہو گیا۔ صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''چشمے سے مسلسل بہنے والا پانی پھوٹ نکلا''۔ (صحیح مسلم) حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کے وقت ہماری طرف تشریف لائے۔ آپ کے پاس وضو کے لیے پانی لایا گیا۔ آپ نے وضو فرمایا اور لوگ آپ سے بچنے والے پانی کو لے کر اسے اپنے جسم پر ملنے لگے''۔ (صحیح بخاری) علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو سے بچنے والے پانی کو تقسیم کرتے تھے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضائے شریفہ پر بہنے والے پانی کو ایک دوسرے سے لیا کرتے تھے''۔ عروۃ بن مسعود الثقفی رضی اللہ عنہ صلحِ حدیبیہ کے متعلق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تھوک پھینکتے تو صحابہ میں سے کوئی نہ کوئی اسے اپنے ہاتھوں پہ لے کر اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں کوئی حکم دیتے تو ہر ایک تعمیلِ حکم میں دوسرے سے سبقت لے

جانے کی کوشش کرتا اور جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو وہ آپ کے مستعمل پانی پر باہم چھینا جھپٹی کر گزرتے"۔ (صحیح بخاری) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: "میں کسی مرض میں مبتلا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق میری عیادت کو پیدل چل کر تشریف لائے۔ انھوں نے مجھے بے ہوش پایا پس آپ ﷺ نے وضو کیا اور اس کا پانی مجھ پر چھڑکا تو میں ہوش میں آگیا"۔ (صحیح بخاری) امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "اس کا احتمال ہے کہ پانی چھڑکنے سے مراد ہو کہ آپ نے وضو میں استعمال شدہ پانی چھڑکا ہو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے وضو سے بچنے والا پانی اُن پر چھڑکا ہو اور پہلی بات ہی مراد ہے۔ دوسری جگہ امام لکھتے ہیں: "آپ ﷺ نے ان پر وہی پانی چھڑکا جس سے وضو کیا تھا۔ (صحیح بخاری)

آپ ﷺ کے لباس سے تبرک

نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک طیالسی جبہ تھا جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہا اور ان کے بعد سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے پاس آیا، آپ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ جبہ دکھاتے ہوئے کہا: "آپ ﷺ اسے پہنا کرتے تھے۔ پھر آپ کے بعد ہم اسے مریضوں کے لیے دھوتے ہیں اور اس پانی سے شفایابی کرتے ہیں"۔ (صحیح مسلم)

نبی کریم ﷺ کے چلنے کی برکت

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے والدِ محترم جب جنگِ بدر میں شہید ہوئے تو ایک یہودی کی تیس وسق کھجور ان کے ذمے تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ آپ یہودی کے ہاں سفارش کر کے مجھے مہلت دلا دیں لیکن یہودی نہ مانا۔ آپ ﷺ ان کے باغ میں تشریف لے گئے اور ادھر ادھر کچھ چہل قدمی کے بعد حکم دیا کہ یہودی کو بلا کر اس کی کھجوریں ادا کی جائیں۔ چنانچہ کھجوریں اترنا شروع ہوئیں اور تیس وسق ادا کر کے سترہ وسق کھجور بچ رہی۔ اس واقعے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "یقیناً میں وہ وقت جانتا ہوں جب رسول اللہ ﷺ اس باغ میں چل پھر رہے تھے تاکہ اس میں برکت دی جائے"۔ (صحیح بخاری)

اشیاے خور ونوش میں برکت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میری والدہ امِ سُلیم نے رسول اللہ ﷺ کی ایک شادی کے موقعے پر تھوڑا سا حلوہ تیار کیا اور مجھے دے کر آپ ﷺ کی خدمت میں ارسال کیا۔ میں نے والدہ کے حکم کے مطابق ان کا سلام عرض کر کے کہا: یارسول اللہ! یہ تھوڑا سا حلوہ ہماری طرف سے قبول فرمالیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے انس! اس برتن کو وہاں رکھو اور جاؤ فلاں فلاں کو بلا لاؤ اور اس کے علاوہ جو بھی ملے اسے بھی بلا لاؤ۔ وہ تقریباً تین سو بندوں کو لے کر آ گئے یہاں تک کہ آپ کا حجرہ اور صفہ کا چبوترہ لوگوں سے بھر گیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا «لِيَتَحَلَّقْ عَشَرَةٌ عَشَرَةٌ وَلْيَأْكُلْ كُلُّ إِنْسَانٍ مِمَّا يَلِيهِ» دس دس لوگ حلقہ بنالیں اور اپنے سامنے سے کھاتے جائیں۔ پھر ایک گروہ کھا کر نکلتا تو دوسرا کھانے کے لیے داخل ہوتا۔ اس طرح تمام لوگوں نے کھانا کھا لیا تو حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ برتن اٹھا لیں۔ وہ کہتے ہیں مجھے نہیں معلوم جب میں حلوہ لے کر آیا تھا اس وقت زیادہ تھا یا اب زیادہ ہے۔ (صحیح مسلم) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھوک سے بے حال راستے میں کھڑے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو آپ کی حالت کو پہچان گئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "آپ ﷺ نے میرا دل اور دلی میلان پہچان لیا"۔ آپ ﷺ ان کو ساتھ اپنے گھر لے گئے۔ آپ کے گھر سے کھانے کے طور پر ایک پیالہ دودھ دستیاب ہوا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اصحابِ صفہ کو بلا لائیں۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں ان کو پلاتا رہا اور اس پیالے سے ستر اصحابِ صفہ نے سیر ہو کر پیا۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں پیوں۔ پس میں نے حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق پیٹ بھر کر دودھ پیا۔ (صحیح بخاری مع فتح الباری)

آپ ﷺ کے پسینے سے تبرک

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کا کچھ پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: "اے امِ سلیم! کیا کر رہی ہو؟"۔ آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: "یارسول اللہ! یہ آپ کا پسینہ ہے۔ ہم اسے اپنی خوشبو میں ملائیں

گے، اس لیے کہ یہ ایک بہترین خوشبو ہے"۔ ایک روایت میں آتا ہے: "ہم اپنے بچوں کے لیے اس پسینے کی برکت کی امید رکھتے ہیں"۔ (صحیح مسلم)

نبی کریم ﷺ کے لعاب اور پھونک کی برکت

غزوۂ خیبر کے موقعے پر نبی ﷺ نے فرمایا: "کل میں جھنڈا اسے دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائیں گے"۔ اگلی صبح آپ ﷺ نے پوچھا: "علی کہاں ہیں؟"۔ پتا چلا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں بلا کر جھنڈا عطا کیا اور اپنے لعابِ دہن سے ان کا علاج کیا اور ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب مبارک لگایا تو وہ اسی جگہ اس طرح ٹھیک ہوگئیں گویا کبھی ان میں کوئی بیماری تھی ہی نہیں۔ (صحیح بخاری) حضرت یزید بن عبید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ بن اَکْوَعْ رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر ایک زخم کا نشان دیکھا تو ان سے اس بابت دریافت کیا۔ کہنے لگے: "مجھے جنگِ خیبر میں زخم آیا۔ لوگ کہنے لگے سلمہ تو بچ نہیں پائے گا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے تین بار پھونک ماری تو میں ایسا ٹھیک ہوا کہ آج تک کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی"۔ (صحیح بخاری)

آپ ﷺ کی چادر اور لباس سے تبرک

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک خاتون آپ ﷺ کی خدمت میں ایک چادر لائیں۔ آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ آپ ﷺ نے وہ اوڑھ لی۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا: "یا رسول اللہ! یہ بہت اچھی ہے، آپ مجھے عطا کر دیں"۔ آپ ﷺ نے وہ چادر اسے دے دی۔ لوگوں نے اسے ملامت کی کہ آپ ﷺ اس چادر کے ضرورت مند تھے پھر بھی تم نے مانگ لی۔ اس نے کہا: "میں نے تو اس برکت کی وجہ سے مانگی جو آپ ﷺ کے پہننے سے اس میں آگئی تھی، کیا پتا یہ چادر میرا کفن ہی بن جائے"۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں واقعی وہی چادر اس کا کفن بنی تھی۔ (صحیح بخاری)
آپ ﷺ کی ایک صاحبزادی کا انتقال ہوا۔ جب ان کی میت کو غسل دیا جا چکا تو آپ ﷺ نے اپنا ازار خواتین کو دے کر یہ حکم دیا «أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ» "اس کپڑے کو اس کے کفن کے اندر جسم کے ساتھ لگا دینا"۔ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس واقعے

کے ذیل میں لکھتے ہیں: "یہ واقعہ صالحین کے آثار و اشیا سے برکت لینے کی بنیاد ہے"۔ نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کے کفن کے لیے اپنی قمیض عطا کی اور تبرک کے لیے ان کی قبر میں لیٹے اور ان کے لیے دعاے خیر فرمائی۔ (اُسد الغابہ) ایک اعرابی ایمان لائے۔ ایک جہاد میں آپ ﷺ نے انھیں کچھ سامان دیا۔ انھوں نے کہا: "میں نے آپ کا اتباع اس سامان کے لیے نہیں کیا بلکہ اس لیے کیا کہ میرے حلق میں تیر لگے (تاکہ میں شہید ہو جاؤں)"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تو سچا ہے تو ایسا ہی ہو گا"۔ پھر وہ جہاد میں شہید ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس نے سچ کہا تھا اللہ نے سچ کر دکھایا"۔ پھر آپ ﷺ نے اسے اپنے ایک جبے میں کفن دیا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (سنن نسائی)

رسول اللہ ﷺ کے لمس کی برکت

بنو البَکّاء کے وفد میں شامل سو سالہ حضرت معاویہ بن ثور رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا: "میں آپ کو چھو کر تبرک حاصل کروں گا۔ میں بوڑھا ہوں اور میرا یہ بیٹا میرے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے، آپ اس کے چہرے پر ہاتھ پھیر دیں"۔ حضور ﷺ نے ایسا کیا اور ان کو دعا دی اور کچھ تحفہ دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ کبھی ہمارے قبیلے میں قحط بھی پڑتا تو یہ باپ بیٹا محفوظ رہتے۔ (طبقات ابنِ سعد)

زلفِ رسول ﷺ سے تبرک

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ ﷺ کے کچھ رنگے ہوئے بال محفوظ تھے۔ جس کسی کو نظرِ بد یا کوئی اور بیماری لاحق ہوتی وہ اک پیالے میں پانی ڈال کر آپ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجتا۔ آپ اس پیالے میں بال مبارک کو غسل دے کر واپس کرتیں اور بیمار اسے پی کر اس کی برکت سے شفایاب ہوتا۔ (صحیح بخاری) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حج کے موقعے پر مِنیٰ میں تشریف لائے اور رَمی فرمائی۔ اس کے بعد حجام کو بلا کر پہلے دائیں طرف اور پھر بائیں طرف کے بال کٹوائے اور پاس موجود لوگوں کے درمیان ایک ایک اور دو دو بال تقسیم کیے۔ پھر باقی بال حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ کو دے کر حکم دیا: «اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ» "اسے لوگوں میں تقسیم کر دو"۔ (صحیح مسلم) معروف تابعی

حضرت ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’اپنی زندگی کے آخری لمحات میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: ’’یہ رسول اللہ ﷺ کے بالوں میں سے کچھ بال ہیں، انھیں میری زبان کے نیچے رکھ دو‘‘۔ پس میں نے وہ بال ان کی زبان کے نیچے رکھ دیے (اسی حال میں انھوں نے انتقال کیا) اور جب انھیں دفن کیا گیا تو وہ بال آپ کی زبان کے نیچے ہی تھے‘‘۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ) جنگِ یرموک میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا کلاہ گر گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اسے ڈھونڈا جائے۔ جب اسے ڈھونڈ لیا گیا تو وہ ایک پرانی سی ٹوپی تھی۔ اس پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا: ’’رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کیا اور اپنا سر منڈوایا، لوگ آپ کے بال جمع کرنے کے لیے لپکنے لگے، میں نے جلدی سے آپ کی پیشانی مبارک کے بال اٹھا لیے اور انھیں اپنی اس ٹوپی میں لگا لیا، پس میں نے جس لڑائی میں شرکت کی اور یہ بال میرے پاس ہوئے تو مجھے اللہ کی طرف سے مدد دی گئی‘‘۔ (مستدرکِ حاکم، مجمع الزوائد)

آپ ﷺ کی استعمالی چیزوں سے تبرک

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے زیرِ استعمال رہنے والی ایک چھوٹی سی چھڑی تھی، جب وہ قریب المرگ تھے تو انھوں نے اس چھڑی کو اپنے ساتھ دفنانے کا حکم دیا۔ پس وہ چھڑی اس طرح دفن کی گئی کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے جسم اور کفن کے درمیان تھی۔ (اُسد الغابہ) ابراہیم بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ منبر پر آپ ﷺ کے بیٹھنے کی جگہ پہ ہاتھ پھیرتے اور پھر اپنے ہاتھ کو اپنے چہرے سے لگاتے۔ (طبقاتِ ابنِ سعد) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے بغیر بالوں کے چمڑے کے جوتے سنبھال رکھے تھے جن کے دو تسمے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت انس کے شاگردِ رشید ثابت البنانی نے یہ جوتے دکھائے اور بتایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے نعلین مبارک ہیں۔ (صحیح بخاری) ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے پانی طلب کیا۔ انھوں نے ایک پیالے میں پانی پیش کیا۔ جب آپ ﷺ نے اس پیالے میں پانی پی لیا تو حضرت سہل نے اس پیالے کو سنبھال کر رکھا۔ راوی کہتے ہیں حضرت سہل نے ہمیں وہ پیالہ دکھایا اور ہم نے اس میں پانی پیا۔ پھر حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے وہ پیالہ مانگا تو آپ نے ان کو دے دیا‘‘۔ (صحیح

بخاری) رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو کچھ عرصہ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مہمان بنے۔ ان کا مکان دو منزلہ تھا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی سہولت کی خاطر آپ ﷺ کو زمینی منزل پر ٹھہرایا اور خود اوپر کی منزل پر منتقل ہو گئے۔ ایک رات انھیں خیال آیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اوپر چلتے پھرتے ہیں۔ اس خیال نے انھیں اتنا پریشان کیا کہ کمرے کے ایک کونے میں سمٹ کر رات بسر کی۔ اگلے دن سارا ماجرا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا اور درخواست کی کہ آپ ﷺ اوپر کی منزل میں منتقل ہو جائیں۔ حضور کریم ﷺ نے فرمایا: «السُّفْلُ أَرْفَقُ» ”نچلی منزل ہمارے لیے آسان ہے“۔ لیکن حضرت ابو ایوب نہیں مانے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اوپر منتقل ہوئے اور آپ ﷺ کا کھانا اوپر ہی پہنچایا جانے لگا۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ برتن واپس لے جانے والے شخص سے برتن لے کر آپ ﷺ کی انگلیوں کے نشانات پر انگلیاں پھیرتے۔ (صحیح مسلم)

جانوروں پر آپ ﷺ کی برکت کے آثار

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں عُقبہ بن ابی مُعیط کی بکریاں چراتا تھا۔ تو میرے پاس سے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق گزرے۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا: ”اے لڑکے! کیا تیرے پاس ہمارے پینے کے لیے دودھ ہے؟“۔ میں نے کہا: جی ہاں! ہے تو سہی لیکن میرے پاس امانت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اچھا کیا تیرے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے ابھی تک بچہ نہ دیا ہو؟“۔ میں ایک بکری آپ کے پاس لے آیا۔ آپ ﷺ نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا تو اس کے دودھ اتر آیا۔ آپ ﷺ نے بکری کا دودھ نکالا اور خود نوش فرمایا اور پھر ابو بکر صدیق نے بھی پیا۔ پھر آپ ﷺ نے تھنوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ”سکڑ جاؤ“۔ پس بکری کے تھن سکڑ گئے۔ (مسند احمد)

ایک رات مدینہ میں خوفناک قسم کی آواز سنائی دی۔ آپ ﷺ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر آواز کی سمت تنہا چلے گئے۔ یہ گھوڑا اپنی سُست رفتاری میں مشہور تھا۔ جب آپ ﷺ واپس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «لَمْ تُرَاعُوا، إِنَّهُ لَبَحْرٌ» ”ڈرو مت اور یہ گھوڑا تو پانی کی طرح تیز ہے“۔ آپ ﷺ کی برکت سے یہ سست گھوڑا

تیز ہو گیا۔ راوی کہتے ہیں: اس دن کے بعد اس گھوڑے سے کوئی دوسرا گھوڑا آگے نہ نکل سکا۔ (صحیح بخاری) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جہاد پر تھا۔ میں ایک لاغر سے اونٹ پر سوار تھا جس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تمھارے اونٹ کو کیا ہوا ہے؟''۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کمزور ہے۔ آپ ﷺ نے اونٹ کو ہنکارا اور اس کے لیے دعا کی۔ اس کے بعد وہ اونٹ تیز چلنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے کچھ دیر بعد حضرت جابر سے پوچھا: ''اے جابر اپنے اونٹ کو کیسا پاتے ہو؟''۔ میں نے عرض کیا: اسے آپ کی طرف سے برکت پہنچی تو وہ بہترین ہو گیا۔ (صحیح بخاری) یہ اونٹ دورِ فاروقی تک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ جب یہ کمزور ہو گیا تو ایک دن حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جناب فاروق سے عرض کیا کہ میرے پاس ایک ایسا اونٹ ہے جو جنگِ بدر اور صلحِ حدیبیہ کے مواقع پر موجود تھا اور انھوں نے وہ واقعہ بھی بیان کیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس اونٹ کو بیت المال میں داخل کر دیا جائے اور سرکاری چراگاہ میں اچھی جگہ سے چرایا جائے اور اچھا پانی پلایا جائے۔ جب یہ فوت ہو جائے تو اسے گڑھا کھود کر دفن کر دیا جائے۔ (فتح الباری، تاریخِ دمشق)

*****

صوفی جمیل الرحمن عباسی
مدیر ماہنامہ مفاہیم و ناظمِ شعبہ تحقیق و تصنیف، فقہ اکیڈمی

بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۶)

فتحِ قیساریہ

اسی سال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ قیساریہ کو فتح کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت معاویہ ایک لشکر لے کر وہاں پہنچے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں رومیوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اچانک باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے جس کے کے نتیجے میں کئی ایک لڑائیاں ہوئیں جن میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہا۔ آخر کار انھوں نے اپنے پورے لشکر سے حملہ کیا جس میں رومیوں کو شکست ہوئی۔ ان معرکوں میں ہزاروں رومی مارے گئے۔ مسلمانوں کو کثیر مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ یہ روایت بھی ہے کہ قیساریہ کی فتح؛ بیت المقدس کے محاصرے کے دوران ہوئی۔

معرکہ اجنادِین

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایلیا یعنی بیت المقدس کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ جب آپ رملہ پہنچے تو انھوں نے اردن سے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو بھی بلا لیا اور وہاں پر ابوالاعور السلمی کو والی مقرر کر دیا۔ انھوں نے رملہ میں ارطبون نامی جرنیل کے ماتحت ایک عظیم لشکر پایا۔ ارطبون روم کا بہت عقل مند اور ماہرِ سیاست جرنیل تھا۔

انھیں خبر ملی کہ اسی طرح کا ایک عظیم لشکر بیت المقدس میں بھی مسلمانوں کا منتظر ہے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین کی طرف قاصد روانہ کیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا خط ملا تو انھوں نے فرمایا: قَدْ رَمَيْنَا أَرْطَبُونَ الرُّومِ بِأَرْطَبُونِ الْعَرَبِ، فَانْظُرُوا عَمَّا تَنْفَرِجُ "ہم نے ارطبونِ روم سے ارطبونِ عرب کو ٹکرا دیا، پس دیکھو اب کیا نتیجہ نکلتا ہے"۔ حضرت عمرو خود رملہ کے علاقے اجنادین میں رکے رہے۔ آپ نے علقمہ بن حکیم الفراسی اور مسروق العکی کو ایلیا کی طرف روانہ کیا اور ابو ایوب المالکی کو رملہ کی طرف روانہ کیا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ رومیوں کی توجہ اپنی طرف سے ہٹانا چاہتے تھے۔ دار الخلافہ کی طرف سے جب بھی کوئی کمک پہنچتی تو اس کا ایک حصہ آپ رملہ کی طرف روانہ کرتے اور ایک حصہ ایلیا پر حملہ کرنے والی فوج کی طرف۔ ایک دن حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ قاصد کے روپ میں ارطبون کے پاس پہنچ گئے۔ اپنی بات سنائی اور اس کی بات سنی، پھر آپ وہیں بیٹھ کر اس بات پر غور و فکر کرنے لگے۔ وہ ارطبون ان کے اندازِ کلام سے سمجھ گیا کہ یا تو آپ ہی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں یا عمرو کا کوئی خاص آدمی ہے۔ اس نے اپنے محافظوں کو خفیہ پیغام بھیجا کہ ان صاحب کا پیچھا کرو اور چپکے سے انھیں قتل کر دو۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو شک گزرا۔ انھوں نے ارطبون سے کہا: اے سالار! میں نے آپ کی بات سن کر سمجھ لی۔ میں ان دس میں سے ایک ہوں جنھیں خلیفہ نے سپہ سالار کی معاونت و مشاورت کے لیے بھیجا ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں باقی دس کو بھی آپ کے پاس لے آؤں تاکہ وہ آپ کی بات کو سمجھ سکیں۔ ارطبون اس پر خوش ہوا۔ اس نے اپنے محافظوں کو پیغام بھیج کر قتل والے منصوبے کو روک دیا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ عافیت کے ساتھ وہاں سے واپس آئے اور بعد میں ارطبون کو پتا چلا کہ یہی عمرو بن عاص تھے۔ اس نے کہا: خدا کی قسم یہی عرب کا عقل مند ترین شخص ہے جس نے مجھے دھوکا دیا۔ بہر حال دونوں لشکروں کا اجنادین کے مقام پر سخت مقابلہ ہوا اور ارطبون شکست کھا کر بیت المقدس کی طرف پسپا ہوا تو مسلمانوں نے اس کا راستہ نہ روکنے کا فیصلہ کیا بلکہ اسے بیت المقدس میں داخل ہونے دیا۔ ارطبون کے بیت المقدس میں "پناہ گزین" ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے غزہ (ایک روایت کے مطابق غزہ پہلے فتح ہو چکا تھا) سبسطیہ، نابلس، لد، اور عمواس وغیرہ فتح کر لیے۔

فتحِ بیتُ المقدس

جب ارطبون بیت المقدس میں مقیم تھا، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کی خط کتابت جاری تھی۔ ارطبون نے اپنے مصاحبین کے سامنے اس بات کا اظہار کیا کہ عمرو بن عاص بیت المقدس فتح نہیں کر سکے گا۔ انھوں نے سوال کیا کہ آپ اتنے یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ میرے علم کے مطابق اس شہر کا فاتح وہ ہے جس کے نام کے تین حروف ہیں۔ اس کے بعد اس نے کچھ اور صفات بھی بتائیں۔ جن سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اندازہ لگا لیا کہ وہ شخصیت خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ لہذا انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جناب میں عرض کی کہ اگر آپ بیت المقدس تشریف لے آئیں تو بیت المقدس بغیر خون خرابے کے فتح ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی آپ نے بیت المقدس کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ دوسری طرف حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دمشق اور حِمص کی فتح سے فارغ ہونے کے بعد بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوئے۔ انھوں نے بیت المقدس کے والی کو خط ارسال کیا جس میں انھیں اسلام، جزیہ اور قتال میں سے کسی ایک کے انتخاب کی دعوت دی گئی تھی۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ دمشق اور دوسرے علاقے فتح ہو چکے ہیں، اب کیا کیا جائے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کے بعد بیت المقدس فتح کرنے کی اجازت دی۔ بہر حال اس کے بعد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اپنی فوج کو لے کر بیت المقدس پہنچ آئے۔ انھوں نے ارد گرد کی مسلمان افواج کو بھی بیت المقدس میں بلا لیا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ (تاریخ ابنِ کثیر، الکامل) جس صبح مسلمانوں نے بیت المقدس پر حملہ آور ہونا تھا۔ وہ رات مسلمانوں نے بیت المقدس کی خوشی میں جاگتے ہوئے گزاری۔ ہر گروہ چاہتا تھا کہ بیت المقدس اس کے ہاتھوں فتح ہو تا کہ وہ (سب سے پہلے) اور دوسرے مسلمان مسجد الاقصیٰ میں نماز پڑھ سکیں اور انبیاے کرام علیہم السلام کے آثار و مقامات کی زیارت سے بہرہ ور ہو سکیں۔ نمازِ فجر میں حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے سورۃ المائدہ کی جن آیات کی قراءت کی اس میں آیتِ مبارکہ ﴿يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا﴾ بھی تھی۔ یہ بھی کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام امراے

جیوش کی زبانوں پر قراءتِ نماز میں یہی آیات جاری ہوئیں۔ مسلمانوں کی راتوں کا حال یوں بیان کیا گیا: قَوْمٌ يُصَلّوْنَ وقومٌ يَقْرَأُونَ وقومٌ يَتَضَرَّعُوْنَ وقومٌ نَائِمُونَ"کچھ لوگ نماز پڑھتے رہتے کچھ تلاوت کرتے رہتے کچھ لوگ آہ وزاری میں مصروف رہتے جبکہ کچھ لوگ آرام کیا کرتے"۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے مختلف کمانڈروں کے تحت افواج متعیّن کیں اور انھیں روانہ کرتے وقت یوں نصیحت فرمائی: فَارْفَعُوا أَصْواتَكُمْ بِالتَّهْليلِ وَالتَّكْبيرِ وَاسْأَلُوا اللهَ بِجَاهِ نَبِيِّهِ وَمَنْ سَكَنَهَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحينَ أَن يَّسْهَلَ فَتْحَها عَلَى أَيْدِي الْمُسْلِمِينَ"کلمۂ طیبہ اور اللہ اکبر کی صدائیں بلند کیے رکھو اور نبی کریم ﷺ اور بیت المقدس میں رہ چکنے والے انبیاے کرام اور صالحین کے وسیلے سے اللہ تعالی سے دعا کرو کہ وہ مسلمانوں کے لیے اس شہر کی فتح کو آسان کر دے"۔ خیر، مسلمان افواج نے بیت المقدس کو گھیرے میں لے لیا۔ یہ سردیوں کا موسم تھا اور مسلمان سخت مشقت میں تھے لیکن انھوں نے کمال صبر سے چار ماہ تک بیت المقدس کا سخت محاصرہ کیے رکھا۔ رومی جرنیل ارطبون چپکے سے مصر کی طرف نکل گیا۔ جب شہر کے لوگ تنگ آ گئے تو انھوں نے اپنے لاٹ پادری سے کہا: اے ہمارے باپ! ہم سوچتے تھے کہ یہ مسلمان محاصرہ نہ کر سکیں گے اور ہمیں قیصر کی طرف سے کمک ملے گی لیکن ہمارا بادشاہ اپنی فوج کے شکست کھانے کی وجہ سے ہماری مدد کو نہ آسکا۔ آپ ہماری طرف سے ان مسلمانوں سے بات کریں۔ اگر صلح کی کوئی صورت بنتی ہے تو ٹھیک ورنہ ہم باہر نکل کر لڑائی کریں یا تو ہم مسلمانوں کو شکست دے دیں یا ہمارا آخری آدمی بھی قتل ہو جائے۔ اہلِ شہر کی طرف سے پیغام بھیجا گیا کہ اپنے امیر کو نزدیک لائیں ہم اس سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دیوار کے پاس آ گئے۔ پادری اپنے ساتھ دوسرے احبار و رہبان کو لے کر دیوار پر نمودار ہوا۔ ان لوگوں نے انجیلِ مقدس ہاتھوں میں بلند کی ہوئی تھی۔ پادری نے حضرت ابو عبیدہ سے پہلا سوال ہی یہ کیا: کیا تمھیں اس شہر کی عظمت و حرمت کا اندازہ نہیں کہ تم یہاں حملہ کر کے اللہ کا غضب مول لے رہے ہو؟ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: نَعَمْ إِنَّها شَرِيفَةٌ ومِنْها أَسْرَى بِنَبِيِّنا إِلَى السَّمَاءِ ودَنا مِنْ رَّبِّهِ كَقَابِ قَوْسَيْنِ أو أَدْنَى وإِنَّها مَعْدِنُ الأنبياءِ وقُبُورِهُمْ فيها ونَحْنُ أَحَقُّ مِنْكُمْ بِها ولا نَزالُ

عليها أو يُمْلِكُنا اللهُ إيّاها كَما مَلَكْنَا غَيرَها ''ہاں ہم جانتے ہیں کہ یہ عزت والا شہر ہے۔اسی شہر سے ہمارے نبی ﷺ کا آسمان کی طرف سفر معراج شروع ہوا جس میں وہ اپنے رب کے نزدیک ہوئے قابَ قوسین کی حد تک یا اس سے بھی کم۔ یہ نبیوں کی سرزمین ہے اور ان کی قبریں یہیں پائی جاتی ہیں۔البتہ بات یہ ہے کہ ہم تم سے زیادہ اس شہر کی تولیت کے حق دار ہیں۔ ہمارا واپسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے یہاں تک کہ اللہ دوسرے شہروں کی طرح یہاں بھی ہمیں غلبہ دے دے''۔ پادری نے پوچھا: اچھا مزید کیا صورت ہو سکتی ہے؟ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا پہلی بات تو یہ ہے کہ تم اسلام قبول کرلو۔ یہ نہیں تو دوسری بات یہ ہے کہ جزیہ ادا کر کے شہر ہمارے حوالے کرو اور آخری صورت یہی ہے کہ ہم تم سے جنگ جاری رکھیں۔پادری نے کہا کہ ہم اپنا دین تو چھوڑ نہیں سکتے۔ جزیہ ایک ذلت ہے ہم اسے برداشت نہیں کرسکتے۔ رہی بات تمھارے دوسرے شہروں کو فتح کرنے کی تو ان پر مسیح علیہ السلام کا غضب تھا۔ اس لیے وہ تمھاری غلامی میں دے دیے گئے۔ جبکہ ہمارا شہر مقدس ہے اور ہم جب 'خداوند مسیح' سے مدد کی درخواست کریں گے تو وہ ہماری مدد کریں گے۔ پادری نے مزید کہا کہ یقینی طور پر تم لوگ یہ شہر نہیں فتح کرسکتے کیوں کہ اس کا فتح کرنے والا کوئی اور ہے۔ پھر اس نے شہر بیت المقدس کو فتح کرنے والے کی نشانیاں بتائیں تو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ہنسے اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرکے فرمایا: ''ربِ کعبہ کی قسم شہر فتح ہو گیا''۔ پادری نے پوچھا: کیا تم ان صاحب کو جانتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں انھیں کیسے نہ پہچانوں گا کہ مدتوں ان کے ساتھ رہا ہوں یہ ہمارے نبی کے ساتھی اور ہمارے خلیفہ حضرت عمر فاروق ہیں۔ پادری نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو ہمیں لوگوں کا خون بہانے سے بچنا چاہیے۔ تم لوگ انھیں بلالو اگر ہم نے ان میں نشانیاں پائیں تو ہم شہر تمھارے حوالے کردیں گے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے سامنے ساری بات رکھی۔ انھوں نے باواز بلند لا إله إلا الله والله أكبر پکارا اور کہنے لگے: اے امیر! خلیفہ کی خدمت میں جلد خط روانہ کریں۔ حضرت شرجیل رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ حضرت خالد بن ولید کا حلیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے تو کیوں نہ پادری کو آزمایا جائے۔ اس پر اتفاق ہوا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دیوار کے نزدیک لایا گیا اور قلعے والوں سے کہا گیا: تمھارا مطلوب آگیا لہذا اپنے پادری کو بلالو۔ پادری نے غور سے حضرت خالد کو دیکھا اور پھر کہنے لگا: ''یہ لگتا تو اسی کے جیسا ہے لیکن یہ وہ ہے نہیں۔ بعض علامات

اس میں نہیں پائی جاتیں"۔اب مسلمانوں نے خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں خط روانہ کیا اور پوری تفصیل لکھ کر انھیں تشریف آوری کی دعوت دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب سے مشاورت کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے سامنے آئی کہ جب ہم نے اتنے شہر فتح کر لیے اور دشمن کمزور ہو چکا ہے تو اس کی طرف خلیفہ کو بھیج کر اسے عزت نہ دی جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ سامنے آئی کہ محاصرہ بہت طویل ہو چکا ہے۔ مسلمان موسم کی سختی کا مقابلہ کر رہے ہیں۔اس لیے ان کی تالیف اور سہولت کا خیال کرتے ہوئے خلیفہ کو بیت المقدس کا سفر کرنا چاہیے کہ انھیں اس سفر کا ڈھیروں اجر بھی ملنے والا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دشمن کو کہیں سے مدد مل جائے تو فتح مزید دور چلی جائے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کی تحسین کی اور فرمایا عثمان نے جنگی چال اور حکمت کی بات کی جبکہ علی نے مسلمانوں پر شفقت و رحمت والی بات کی اور ہم علی کی رائے کو اختیار کرتے ہیں"۔آپ نے اسی وقت سفر کی تیاری کا حکم دیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب معسکر میں پہنچے تو فجر کا وقت تھا۔آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس کے بعد آپ نے وعظ و نصیحت پر مبنی خطاب فرمایا۔اس کے بعد حضرت ابو عبیدہ آپ کو مختلف محاذات کے احوال بتانے لگے۔ حضرت عمر کبھی اظہار اطمینان کرتے اور کبھی رونے لگتے۔ظہر تک یہی سلسلہ چلتا رہا۔ظہر کی اذان کا وقت آیا تو بعض اصحاب نے فرمائش کی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان کہلوائی جائے۔آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال سے کہا: "اے بلال! تمھارے ساتھی چاہتے ہیں کہ تم ان کے لیے اذان دو اور انھیں رسول اللہ ﷺ کے ایام کی یاد تازہ کراؤ"۔ حضرت بلال نے اذان دی تو دِلوں کے پنچھی یوں پھڑپھڑانے لگے گویا سینوں کے پنجرے توڑ جانا چاہتے ہوں۔ ہر طرف گریہ اور آہ وزاری جاری تھی۔ جب کچھ تسکین ہوئی تو نمازِ ظہر ادا کی گئی۔اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مساکین اور ضرورت مند حضرات کے لیے وظائف مقرر کیے اور فرمایا کہ لوگوں کو گندم، جو، شہد اور تیل وغیرہ فراہم کیا جائے۔ پھر آپ نے فوجوں سے کہا کہ اگر کسی کو اپنے امیر سے شکایت ہو یا جو حصے ہمارے طرف سے ان کے مقرر کیے گئے وہ نہ ملتے ہوں تو مجھے آگاہ کریں۔اس کے بعد آپ اونٹ پر سوار ہوئے تاکہ شہر پناہ کی طرف جا سکیں۔لوگوں نے درخواست کی آپ اونٹ کے بجائے گھوڑے پر سوار ہو جائیں اور اپنا مُرَقَّع (وہ لباس جس میں بہت سارے پیوند لگے

ہوں) اتار کر اچھے کپڑے پہن لیں۔ خیر آپ نے ساتھیوں کی درخواست پر اچھے کپڑے پہنے اور گھوڑے پر سوار ہوئے، وہ گھوڑا کچھ شوخ سا تھا اچھل کود کرنے لگا۔ حضرت عمر رضِی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ یہ لباس اور گھوڑا "تواضعِ شاہانہ" کے خلاف ہے تو آپ گھوڑے سے اتر پڑے اور کہنے لگے: "تم جانتے ہو جس کے دل میں رائی کے دانے جتنا تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا"۔ پھر آپ نے اپنا مرقع منگوا کر پہنا۔ اس کے آپ اونٹ پر سوار ہو کر اگلے مورچوں کی طرف چلے۔ حضرت ابو عبیدہ رضِی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ مورچوں میں ایک جگہ آپ کے لیے خیمہ لگایا گیا تھا آپ نے وہاں نماز ادا کی۔ حضرت ابو عبیدہ رضِی اللہ عنہ نے شہر پناہ کے پہرے داروں سے کہا کہ لاٹ پادری کو اطلاع دی جائے کہ امیر المومنین تشریف لے آئے ہیں۔ پادری صفرونیوس دیوار پر آیا اور اس نے کہا کہ ان صاحب کو دیوار کے نزدیک لے آؤ تاکہ ہم دیکھ سکیں کہ وہی ہیں یا کوئی اور ہیں۔ حضرت عمر رضِی اللہ عنہ اپنے اونٹ کو دیوار کے نزدیک لے چلے تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ کہیں آپ کے خلاف کوئی ناشائستہ حرکت نہ کی جائے۔ حضرت عمر رضِی اللہ عنہ نے آیت مبارکہ ﴿قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَنَا هُوَ مَوْلانَا وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ پڑھی اور حضرت ابو عبیدہ رضِی اللہ عنہ کے ساتھ دیوار کے نزدیک آ گئے۔ پادری صفرونیوس آپ کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ زور سے چلا اٹھا: یہ محمد کے وہی ساتھی ہیں جن کی نعت وصفات ہماری کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہی قدس کے فاتح ہیں۔ اے لوگو! اترو اور ان سے اَمن طلب کرو۔ شہر پناہ کے دروازے کھول دیے گئے اور لوگ جوق در جوق حضرت عمر رضِی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہونے لگے۔ آپ رضِی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: واپس جاؤ، تم ہمارے ذمے میں ہو، تمھیں امان دی جاتی ہے۔ جاؤ اپنے شہر میں چلے جاؤ۔ آپ رضِی اللہ عنہ معسکر میں آ گئے اور رات بسر کرنے کے بعد اگلے دن شہر میں داخل ہوئے جب کہ پیر کا دن تھا۔ (فتوح الشام) آپ رضِی اللہ عنہ مسجد اقصی میں اسی دروازے سے داخل ہوئے جہاں سے رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے تھے۔ آپ نے مسجد میں دو رکعت نماز ادا کی۔ آپ نے مسجدِ اقصیٰ میں فجر کی نماز پڑھائی جس میں آپ نے سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ ص کی قراءت کی۔ پھر آپ اس چٹان (صخرہ) کی طرف آئے جہاں سے رسول کریم ﷺ کا معراج شروع ہوا تھا۔ آپ نے کعب الاحبار سے پوچھا کہ میں نماز کہاں ادا کروں تو انھوں نے کہا کہ صخرہ کے پیچھے ادا کریں۔ حضرت عمر رضِی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تو یہود کا طریقہ ہے۔ میں وہاں نماز ادا کروں گا

جہاں حضور کریم ﷺ نے نماز ادا کی تھی پھر وہ قبلے کی طرف آگے بڑھے کہ صخرہ آپ کے پیچھے تھی۔ یہاں آپ نے نماز پڑھی اور اس جگہ کو مسجد قرار دیا (یہ مسجد جامع قبلی یا مسجد عمر یا جامع عمر کہلاتی ہے)۔ آپ نے اہلِ بیت المقدس پر جزیہ عائد کیا، ان کو امان دی اور ایک معاہدہ تحریر کیا۔ (تاریخ ابنِ کثیر) اس معاہدے کی رو سے اہلِ قدس پر جزیہ عائد کیا گیا۔ جس کے بدلے میں ان کی جان و مال اور عبادت گاہوں کے تحفظ اور مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی۔ دین کے معاملے میں ان پر کوئی جبر و اکراہ نہیں کیا جائے گا۔ اگر ان میں سے کوئی اپنی مرضی سے نکل کر کہیں جانا چاہے تو اس پر کوئی دار و گیر نہیں ہوگی۔ اس معاہدے میں عیسائیوں کی خواہش کے مطابق یہودیوں کو بیت المقدس میں رہائش کی ممانعت کی گئی۔ اہلِ قدس کو اس کا پابند بنایا گیا کہ وہ رومیوں کو یہاں سے نکالیں گے اور جو بھی رومی یہاں سے نکلے گا اسے جان و مال کی امان دی جائے گی یہاں تک کہ وہ اپنے مقام پر پہنچ جائے۔ اس معاہدے پر حضرت خالد بن ولید، عمرو بن عاص، عبدالرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم اجمعین گواہ ٹھہرائے گئے۔ (تاریخِ طبری) معاہدے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا کچھ بندوبست کیا اور پھر مدینہ تشریف لے آئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی طرف روانہ کیا۔ حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو شام کے ایک حصے کا والی بنایا۔ جبکہ دوسرے حصے پر آپ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو حکمران بنایا۔ جنھوں نے کچھ عرصے میں باقی ماندہ شہر مثلاً حلب وغیرہ فتح کر لیے۔ (فتوح الشام للواقدی) شام کی فتوحات ۱۳ ہجری سے شروع ہو کر ۱۶ ہجری میں مکمل ہوئیں۔ بعض معرکوں اور فتوحات کی تاریخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے اسی طرح شہروں کی ترتیبِ فتح میں بھی بعض جگہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم نے اس اختلاف سے صرفِ نظر کرتے ہوئے مختصر انداز میں فتوحات کو بیان کر دیا۔ تفصیل چاہنے والوں کو علامہ واقدی کی فتوح الشام، اور ابن کثیر، ابن الاثیر وغیرہ کی تاریخوں سے رجوع کرنا چاہیے۔

جاری ہے

*****

فتاویٰ یسئلونک

دارالافتاء، فقہ اکیڈمی

نبی/ولی کے وسیلے سے مانگنا

سوال: کیا کسی نبی، ولی یا اللہ کی کسی صفت کے طفیل مانگنا جائز ہے؟ جیسے: یا اللہ آپ اپنے رسول محمد ﷺ کے صدقے ہم پر رحم کیجیے۔ یا آپ اپنی شان غفاری کی صدقے رحم کیجیے یا فلاں ولی کے صدقے رحم کیجیے۔۔۔

جواب: انبیا اور اولیا کے توسل سے دعا مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ تیرے فلاں نبی یا تیرے فلاں نیک بندے پر جو تیری رحمت متوجہ ہے اس کے وسیلہ سے دعا مانگتا ہوں میری حاجت پوری فرما، اس طرح دعا مانگنا جائز ہے۔ چنانچہ المہند علی المفند اور البراہین القاطعہ میں مذکور ہے: انبیا اور اولیا کا توسل ان کی وفات کے بعد بایں الفاظ کے ”الٰہی ان کے طفیل سے میری حاجت پوری کر“ جائز ہے شرک نہیں ہے۔ (البراہین القاطعۃ، المہند علی المفند: السوال الثالث والرابع)

*****

فیض احمد فیضؔ (۱۹۱۱۔۱۹۸۴ء)
معروف شاعر

ڈھاکہ سے واپسی پر

فیض نے یہ نظم ۱۹۷۴ء میں ڈھاکہ سے واپسی پر لکھی

ہم کہ ٹھہرے اجنبی اتنی مداراتوں کے بعد
پھر بنیں گے آشنا کتنی ملاقاتوں کے بعد

کب نظر میں آئے گی بے داغ سبزے کی بہار
خون کے دھبے دھلیں گے کتنی برساتوں کے بعد

تھے بہت بے درد لمحے ختمِ دردِ عشق کے
تھیں بہت بے مہر صبحیں مہرباں راتوں کے بعد

دل تو چاہا پر شکستِ دل نے مہلت ہی نہ دی
کچھ گلے شکوے بھی کر لیتے مناجاتوں کے بعد

اُن سے جو کہنے گئے تھے فیضؔ جاں صدقہ کیے
اَن کہی ہی رہ گئی وہ بات سب باتوں کے بعد

١٦ دسمبر ١٩٧١

سانحہ سقوطِ ڈھاکہ

*****

مولانا محمد زکی کیفی (۱۹۷۵ـ۱۹۲۶ء)
معروف شاعر، ابنِ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

غارت گرانِ خونِ شہیداں حساب دو

کیا صف شکن تھے جنگ سے نالاں؟ نہیں نہیں
کیا شیردل تھے کفر سے ترساں؟ نہیں نہیں
کیا غازیوں میں شوقِ شہادت کی تھی کمی
کم ہو گئی تھی غیرتِ ایماں؟ نہیں نہیں
کیا سرد ہوگئے تھے جوانوں کے حوصلے
کیا ڈرگئے تھے حاملِ قرآں؟ نہیں نہیں
کیا سو گئے تھے قوم کے جانباز سرفروش
غافل تھے کیا وطن کے نگہباں؟ نہیں نہیں
کیا اپنی سرحدوں کی حفاظت کے واسطے
کافی نہیں تھی فوجِ دلیراں؟ نہیں نہیں
کیا عرصہ گاہِ جنگ میں ہنگامِ کارزار
کم پڑ گیا تھا جنگ کا ساماں؟ نہیں نہیں
کیا اہلِ شہرِ جنگ کی حالت میں خوش نہ تھے
کیا مرد و زن تھے خوف سے لرزاں؟ نہیں نہیں

۱۶ دسمبر ۱۹۷۱

سانحہ سقوط ڈھاکہ

۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء

سانحہ سقوطِ ڈھاکہ

کیا اہلِ ملک تنگ تھے اس حرب و ضرب سے
کیا ہو گئی تھی قوم پریشاں؟ نہیں نہیں
کیا اپنے ملک وقوم کی عزت کے واسطے
لڑنا نہ جانتے تھے مسلماں؟ نہیں نہیں
کیا بڑھ گئی تھی کفر کی یلغار اس قدر
رکتا نہیں تھا کُفر کا طوفاں؟ نہیں نہیں
پھر کس لیے یہ صورتِ حالات ہوگئی
بازی ابھی لگی تھی ابھی مات ہو گئی
برباد کیوں ہوا یہ گلستاں جواب دو
اے قاتلانِ غیرتِ ایماں! جواب دو
کس دل سے تم نے ذلتِ اسلام کی قبول؟
کہتا ہے تم سے خونِ شہیداں جواب دو
لاکھوں کٹے تھے جس کی حفاظت کے واسطے
کیوں دے دیا وہ ہاتھ سے میداں، جواب دو
کس پر بھروسہ کر کے کروڑوں عوام کو
چھوڑا ہے تم نے بے سروساماں، جواب دو
وہ اپنے سرفروش جو کوہِ وقار تھے
کیوں ہیں اسیرِ حلقۂ زنداں، جواب دو
ہے کن گھروں میں آتشِ نمرود شعلہ زن
کیوں کر رہا ہے کُفر چراغاں، جواب دو

ہر چپۂ زمین پہ خوں کس کا جذب ہے
کس نے کیا ہے خون یہ ارزاں، جواب دو

ڈھاکہ پہ کیا قیامتِ صغریٰ گزر گئی
کیوں ارضِ چاٹگام ہے گریاں، جواب دو

لاشیں پڑی ہیں کس کی، یہ سلہٹ کی خاک پر
جیسور کس لیے ہوا ویراں، جواب دو

کتنے دلوں میں اُتری ہے سنگین کُفر کی
کس کس کا سر ہے خون میں غلطاں، جواب دو

سونپے تھے تم کو لختِ جگر اپنے قوم نے
کیا اس لیے تھی خون کی افشاں، جواب دو

تم نے کیا تھا عہدِ وفا ملک و قوم سے
اب کیا ہوا وہ عہد، وہ پیماں جواب دو

۱۶ دسمبر ۱۹۷۱

کس دل سے ملک و قوم کی تذلیل کی گئی؟
غداریوں کی شوق سے تشکیل کی گئی؟

اِس غدر اِس فریب میں کس کس کا ہاتھ ہے؟
کس طرح شکست کی تکمیل کی گئی؟

سانحہ سقوط ڈھاکہ

ہر لب پہ یہ سوال ہیں ان کا جواب دو
غارت گرانِ خونِ شہیداں جواب دو

*****

نصیؔر ترابی (۱۹۴۵ـ۲۰۲۱ء)
معروف شاعر

غزل

وہ ہم سفر تھا، مگر اُس سے ہم نوائی نہ تھی
کہ دھوپ چھاؤں کا عالم رہا، جدائی نہ تھی

نہ اپنا رنج، نہ اوروں کا دکھ، نہ تیرا ملال
شبِ فراق کبھی ہم نے یوں گنوائی نہ تھی

محبتوں کا سفر اس طرح بھی گزرا تھا
شکستہ دل تھے مسافر، شکستہ پائی نہ تھی

عداوتیں تھیں، تغافل تھا، رنجشیں تھیں بہت
بچھڑنے والے میں سب کچھ تھا، بے وفائی نہ تھی

بچھڑتے وقت اُن آنکھوں میں تھی ہماری غزل
غزل بھی وہ جو کسی کو ابھی سنائی نہ تھی

کسے پکار رہا تھا وہ ڈوبتا ہوا دن
صدا تو آئی تھی لیکن کوئی دُہائی نہ تھی

۱۶ دسمبر ۱۹۷۱
سانحہ سقوطِ ڈھاکہ

کبھی یہ حال کہ دونوں میں یک دلی تھی بہت
کبھی یہ مرحلہ جیسے کہ آشنائی نہ تھی

عجیب ہوتی ہے راہِ سخن بھی دیکھ نصیرؔ
وہاں بھی آ گئے آخر، جہاں رسائی نہ تھی

*****

۱۶ دسمبر ۱۹۷۱

سانحہ سُقوط ڈھاکہ